ملک صفدر حیات (سیریز نمبر 11)
یادش بخیر
(تحریر حسام بٹ)
عقیل قریشی
یاسر حسین
ناصر بلوچ
صائم بھانی
محمد سجاد بھٹی
سسپنس ڈائجسٹ : دسمبر 2005

انسانوں کے جنگل میں سانس لیتے چند بگڑے اور سنورے کرداروں کی نقاب کشائی

یادش بہ خیر

ملک صفدر حیات

اس پہلو دار دنیا میں خیر اور شر، ریل کی دو پٹریوں کے مانند ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کرّہ ارض کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں انسان تو موجود ہو لیکن شیطان کا وجود نہ پایا جاتا ہو۔ انسان خیر و بھلائی کی سوغات کو سینے سے لگائے اور شیطان شر و تباہی کی پوٹلی کو بغل میں دبائے انھی دو پٹریوں کے درمیان، ایک دوسرے کو مات دینے کا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہار جیت کا یہ سلسلہ روزِ اول سے جاری ہے اور روزِ حشر تک جاری رہے گا۔ اس ازلی ابدی رسّا کشی میں شیطان کو شاید انسان بننے میں ذرا مشکل پیش آتی ہوگی جب کہ انسان کو شیطان کا روپ دھارتے ہوئے ذرا دیر نہیں لگتی۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے، میں اپنی بیٹی سے ملنے کراچی آیا ہوا تھا۔ ان دنوں میری نواسی کی شادی کے ہنگامے زوروں پر تھے اور میری آمد بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ ایک روز داماد صاحب شاپنگ کے لیے مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم لگ بھگ دو گھنٹے تک طارق روڈ پر مختلف قسم کی خریداری میں مصروف رہے۔ واپسی سے پہلے ہم ایک اسنیک بار میں جا بیٹھے۔ شاپنگ کوئی آسان کام نہیں، تھکاوٹ کے ساتھ ہی میں اچھی خاصی بھوک بھی محسوس کرنے لگا تھا۔ طارق روڈ کراچی کا ایک معروف شاپنگ ایریا ہے جس پر جا بہ جا کھانے پینے کے اسپاٹس ملیں گے جو وہاں شاپنگ کی غرض سے آنے والوں کی نفسیات اور ضرورت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کھولے گئے ہیں، اسی لیے خوب چلتے ہیں۔

ہم جس اسنیک بار میں بیٹھے تھے وہ بھی پوری طرح بھرا ہوا تھا بلکہ میں نے باہر کچھ لوگوں کو اس انداز میں اندر جھانکتے ہوئے پایا جیسے وہ کوئی میز خالی ہونے کا انتظار کر رہے ہوں اسی لیے جب ہم پیٹ پوجا سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنے داماد سے کہا۔

"اٹھو میاں، اب چلتے ہیں۔ لگتا ہے ہمارے اٹھنے کا بڑی شدت سے انتظار کیا جا رہا ہے!"

میرے داماد نے ویٹر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور بل کے بارے میں استفسار کیا تو وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا "صاحب! آپ کیوں میری روزی پر لات مارتے ہو؟"

اس کی بات نے مجھے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ کسی ویٹر سے بل کے بارے میں استفسار کرنے کا اس کی روزی پر لات مارنے سے کوئی تعلق نہیں نکلتا۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "بیٹا! یہ تم نے کیسی بات کی ہے۔ ہم تمھاری روزی کے کیوں دشمن ہوں گے؟"

اس کی عمر اٹھارہ اور بیس کے درمیان رہی ہوگی۔ وہ مشکوک صحت کا مالک ایک عام سا نوجوان تھا۔ کھانے کے برتن سمیٹنے کے بعد اس نے میرے سوال کا جواب دیا۔

"بڑے صاحب! سیٹھ نے آپ سے پیسے لینے سے منع کیا ہے!"

"کون سیٹھ؟" بے اختیار میرے داماد نے پوچھا۔

ویٹر نے کاؤنٹر کی جانب اشارہ کر دیا۔

ہم اس وقت جس میز پر بیٹھے تھے وہاں سے کاؤنٹر ہمارے عقب میں پایا جاتا تھا، یعنی ہماری پشت اس سمت میں تھی۔ سیٹھ سے ویٹر کی مراد یقیناً اس اسنیک بار کا مالک تھی، میں فوری طور پر یہی سمجھا کہ سیٹھ سے میرے داماد کی کوئی شناسائی ہوگی اس لیے اس نے ویٹر کو بل لینے سے منع کر دیا ہوگا۔ اپنے داماد کی تقلید میں مڑ کر میں نے بھی کاؤنٹر کی جانب دیکھا۔

لگ بھگ پچاس سال کی عمر کا ایک شخص کاؤنٹر پر بیٹھا ہماری جانب دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظر ملتے ہی میرے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔ کہاں؟ یہ فوری طور پر یاد نہ آسکا۔ میں نے یہ سوچ کر صبر کر لیا کہ شاید اس سیٹھ کو میں نے اپنے داماد کے ساتھ کبھی دیکھا ہو!

میرے داماد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا "آئیں انکل! اس سیٹھ سے بھی مل لیتے ہیں۔"

"کیا یہ شخص تمھارا شناسا ہے؟" میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

اس کے جواب نے مجھے جھٹکا لگا "نہیں انکل، بالکل نہیں!"

جب ہم کاؤنٹر پر پہنچے تو کہانی الٹی ہوگئی۔ وضع قطع سے سیٹھ نظر آنے والا وہ شخص ہمیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر بڑے والہانہ انداز میں کاؤنٹر سے باہر آیا اور بڑی گرم جوشی سے معانقے کے لیے میری سمت بڑھا۔ میں نے اس کے

اخلاق اور جوش کو دیکھتے ہوئے معانقے کے لیے اپنے دونوں بازو وا کردیے۔ مجھ سے تسلی بخش بغل گیری کے بعد وہ میرے داماد کی جانب بڑھا اور اس بار اس نے محض مصافحے پر اکتفا کیا۔

اس شخص کا رویہ حیران کردینے والا تھا۔ جب وہ دوبارہ میری طرف متوجہ ہوا تو میں نے اپنی الجھن دور کرنے کے لیے معذرت آمیز لہجے میں اس سے پوچھ لیا۔

''معاف کیجیے گا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں!''

''ملک صاحب! میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔'' وہ فرطِ مسرت سے بولا ''آپ صفدر صاحب ہیں نا؟''

''اوہ!'' میں ایک طویل سانس خارج کرکے رہ گیا۔

وہ بولا ''ملک صاحب! میں نے آپ کو ہوٹل میں داخل ہوتے ہی دیکھ لیا تھا لیکن فوری طور پر کاؤنٹر چھوڑ کر آپ کے پاس نہ آسکا۔ آپ یہ رش دیکھ رہے ہیں؟''

اس نے اسنیک بار کے اندر اور باہر موجود لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بات کو ادھورا چھوڑا تو میں نے تعریفی انداز میں کہا ''ماشا اللہ! تمہارا یہ اسنیک بار خوب چلتا ہے۔'' پھر پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے ابھی تک تم نے اپنا تعارف نہیں کرایا؟''

شاید اس نے میرے سوال پر غور نہیں کیا' اپنی ہی دھن میں بولتا چلا گیا۔ اس کے لب ولہجے سے میں نے فوراً اندازہ لگالیا' اس کا تعلق پنجاب کے کسی علاقے سے تھا لیکن باوجود کوشش کے بھی میں یاد نہ کرسکا کہ میں نے اس شخص کو پہلے کب اور کہاں دیکھا تھا۔ اپنی بات کے اختتام پر اس نے میری مشکل حل کردی اور خاصے جذباتی لہجے میں بولا۔

''ملک صاحب! میں نے آپ کو دیکھتے ہی ایک نظر میں پہچان لیا تھا۔ آپ کا چہرہ ذرا سا بھی نہیں بدلا۔ نقش ونگار اپنی جگہ پر ہیں البتہ' بڑھتی ہوئی عمر نے بالوں میں چاندی بھردی ہے۔ میں نے آپ کو چالیس' بیالیس سال پہلے دیکھا تھا۔ اس وقت میری عمر تو دس سال سے زیادہ نہیں ہوگی لیکن آپ کی صورت میرے ذہن میں نقش ہوکر رہ گئی۔ آپ نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا تھا کہ میں آپ کو کبھی بھول ہی نہیں سکتا۔ یہ تو احسان فراموشی والی بات ہوگی نا!'' وہ ایک لمحے کو متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے بولا۔

''میرا نام الطاف شیخ ہے۔ آپ کو میرے والد امتیاز شیخ کے قتل کا قصہ تو یاد ہوگا نا جب ان کی لاش کو دریافت کرنا ایک مسئلہ بن گیا تھا اور یہ مسئلہ آپ ہی نے حل کیا تھا۔ میرا خیال ہے' آپ تھوڑے والے اس واقعے کو بھولے نہیں ہوں گے!''

میرا ذہن مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے یہ تو محسوس کرلیا تھا جیسے اس صورت کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہو لیکن یہ یاد نہیں آرہا تھا' وہ کون تھا اور میں نے اسے کہاں دیکھا تھا؟ امتیاز شیخ کے قتل کا ذکر سن کر وہ تمام واقعات میرے ذہن میں تازہ ہوگئے جن کا حوالہ الطاف شیخ دے رہا تھا۔

وقت کتنی تیزی سے گزرتا ہے' کچھ پتا نہیں چلتا۔ میں نے کم وبیش چالیس سال پہلے الطاف کو دیکھا تھا۔ اس وقت وہ دس سال سے زیادہ کا نہیں تھا اور اب اپنی زندگی کی نصف صدی گزار چکا تھا۔ ہم کافی دیر تک ماضی کے اوراق الٹتے رہے۔ بہ وقتِ رخصت میں نے اس سے پوچھا۔

''میں تو تمہیں اور تمہاری والدہ خدیجہ بیگم کو تمہارے چچا کے سپرد کرآیا تھا۔ تم کراچی میں کب سے کاروبار کررہے ہو؟''

''ملک صاحب! اس بے رحم دنیا میں کوئی کسی کا چاچا' ماما نہیں ہے۔'' وہ یک دم افسردہ ہوگیا ''سب دولت کے طلب گار' ہوس کے پجاری ہیں!''

اس کے لہجے کی زہریلی اداسی نے مجھے بتادیا کہ میں اس کی داستانِ غم سے جس قدر واقف تھا وہ مکمل نہیں تھی' حالات کی ستم ظریفی نے اسے اور بھی کڑے امتحانات سے گزارا تھا۔ میں نے جب ہمدردانہ لہجے میں اس سے استفسار کیا تو اس نے مختصر الفاظ میں مجھے اپنی داستان کا دوسرا حصہ بھی سنادیا۔ اس کی زندگی کے اس حصے میں دکھ اور پریشانیوں نے قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا۔ وہ بڑی ثابت قدمی سے حالات کے سامنے ڈٹا رہا بالآخر اس کے دن پھر گئے اور اب وہ بڑے سکون اور راحت کی زندگی گزار رہا تھا۔

الطاف شیخ کی زندگی کے دونوں ادوار دلچسپی سے بھرپور ہیں لیکن میں یہاں پر ابتدائی دور کا احوال بیان کروں گا کیونکہ میں بہ نفسِ نفیس اس میں شامل رہا تھا۔

☆☆☆

موسم بہار کا آغاز ہوچکا تھا۔ ایک روز میں تھانے پہنچا تو پتا چلا' خدیجہ بیگم نامی کوئی عورت کافی دیر سے میرا انتظار کررہی ہے۔ میں نے مذکورہ عورت کو فوراً اپنے پاس کمرے میں بلالیا۔ اس وقت ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ کافی دیر سے انتظار کرنے کا مطلب یہی تھا' وہ عورت علی الصباح ہی آکر تھانے میں بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آمد سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا' وہ کسی پریشانی میں مبتلا تھی۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک کانسٹیبل خدیجہ بیگم کو لے کر میرے کمرے میں آ گیا۔ وہ ایک خوبصورت اور دراز قامت عورت تھی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ پریشانی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ میں نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''بیٹھ جاؤ بی بی!''

وہ اپنی چادر کو سنبھالتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہا ''مجھے بتایا گیا ہے تم کافی دیر سے یہاں میرے انتظار میں بیٹھی ہو۔ ابھی تک تم نے عملے کے کسی شخص کو اپنے مسئلے کے بارے میں بھی نہیں بتایا۔ تمہارے ساتھ کیا پریشانی ہے؟''

ایک لمحے کے تامل کے بعد وہ گویا ہوئی ''میں آپ ہی سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مسئلہ میرے خاوند کا ہے۔''

''تمہارے خاوند کو کیا ہوا ہے؟'' میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''امتیاز رات کو گھر نہیں پہنچا'' وہ روہانسی ہو گئی۔

امتیاز یقیناً اس کے شوہر کا نام تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا ''وہ کہاں گیا ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے گھر پہنچنے سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

جواب دینے سے پہلے اس نے دوپٹے کے پلّو سے اپنی آنکھوں کے نم گوشے خشک کیے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی ''وہ کل صبح فرید آباد گیا تھا اور یہ کہہ کر گیا تھا کہ رات کو ہر صورت واپس آ جائے گا لیکن ابھی تک......'' اس کا گلا رندھ گیا۔

میں نے محسوس کیا، وہ اندر سے خاصی دکھی عورت تھی۔ تسلی آمیز لہجے میں، میں نے اس سے کہا ''ہوسکتا ہے، وہ رات کو وہیں رک گیا ہو اور آج واپس آ جائے۔ اس میں اتنا زیادہ فکرمند ہونے کی کیا بات ہے!''

خدیجہ نامی اس عورت کا تعلق موضع قلعہ لچھمن سنگھ سے تھا اور فرید آباد نامی قصبہ وہاں سے لگ بھگ آٹھ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ ان دونوں قصبہ جات کے درمیان گھنا جنگل پایا جاتا تھا جس کے بیچوں بیچ شرقاً غرباً ایک بڑی نہر بہتی تھی۔ یہ دونوں قصبے میرے تھانے کی حدود میں آتے تھے۔ قلعہ لچھمن سنگھ کا اصل نام قلعہ لکشمن سنگھ تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ لکشمن، لچھمن میں بدل گیا تھا۔ اصل نام کو وہاں کے باسی یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔

خدیجہ نے میرے سوال کے جواب میں بتایا ''یہ ناممکن ہے کہ امتیاز رات کو فرید آباد رک گیا ہو'' اس کی آواز میں پھر نمی اتر آئی ''اگر ایسا ہوتا تو اس کا گھوڑا واپس نہ آتا۔''

گھوڑے کے ذکر پر میں چونک اٹھا ''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

وہ گلوگیر لہجے میں بولی ''امتیاز جس گھوڑے پر سوار ہو کر فرید آباد گیا وہ آج صبح ہی صبح اکیلا گھر پہنچا ہے۔ گھوڑے کی حالت کو دیکھ کر......'' جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ باقاعدہ آنسوؤں سے رونے لگی۔

میں تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا اسے آنسو بہاتے دیکھتا رہا۔ اس کے دل کا غبار قدرے ڈھل گیا تو میں نے بڑے محتاط انداز میں اس سے چند ضروری سوال کیے جن کے جواب میں اس نے یہ بتایا۔

خدیجہ کا شوہر امتیاز شیخ گزشتہ روز صبح اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر موضع فرید آباد گیا تھا۔ فرید آباد میں اسے ارشاد احمد سے ملنا تھا۔ ارشاد، فرید آباد کا ایک متوسط زمیندار تھا۔ خدیجہ کے مطابق امتیاز نے ارشاد سے ایک بھاری رقم لے کر اسی روز شام کو گھر واپس آنا تھا۔ مذکورہ رقم امتیاز کی تھی جو کچھ عرصہ پہلے ارشاد نے اس سے ادھار لی تھی۔ امتیاز بھی قلعہ لچھمن سنگھ کا ایک چھوٹا زمیندار تھا تاہم اس کا دل بہت بڑا تھا۔ ہم پیشہ دوستوں سے رقم کے لین دین کے سلسلے میں اس نے کبھی کنجوسی یا تنگ دلی سے کام نہیں لیا تھا۔

پروگرام کے مطابق، گزشتہ روز شام کو جب امتیاز واپس نہ آیا تو خدیجہ بیگم پریشان ہو گئی۔ وہ رات گئے تک اپنے شوہر کا انتظار کرتی رہی لیکن امتیاز یا اس کی کوئی اچھی، بری خبر اس تک نہ پہنچ سکی۔ گاؤں میں امتیاز کے دیگر رشتے دار بھی بستے تھے لیکن خدیجہ کی اپنے سسرالیوں سے زیادہ نہیں بنتی تھی لہٰذا اس نے امتیاز کے بارے میں کسی سے استفسار کیا اور نہ ہی ان میں سے کسی کو اپنی فکرمندی کے بارے میں بتایا۔ آج صبح جب امتیاز کا گھوڑا زخمی حالت میں گھر پہنچا تو وہ اس صورتِ حال سے گھبرا گئی، پھر وہ سیدھی میرے پاس چلی آئی تھی۔ تھانے آتے ہوئے بھی اس نے کسی کو اپنے ساتھ لانا ضروری نہ سمجھا۔ وہ اپنے دس سالہ بیٹے الطاف کو گھر میں چھوڑ کر تھانے آئی تھی۔

اس کے خاموش ہونے پر میں نے استفسار کیا ''گھوڑے کے زخموں کی نوعیت کیا ہے؟''

''وہ بری طرح زخمی ہے تھانے دار صاحب!'' اس نے کمزور سی آواز میں کہا ''اس کے جسم پر کسی تیز دھار آلے سے کئی کٹ لگائے گئے ہیں۔ مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ وہ

اس حالت میں گھر کیسے پہنچا!" بولتے بولتے اس کی آواز بھیگنے لگی "جب امتیاز کے گھوڑے کا یہ حشر ہوا ہے تو پتا نہیں، میرے خاوند کے ساتھ کیا سلوک ہوا ہوگا؟"

کسی زخمی گھوڑے کا اپنے سوار کے بغیر گھر پہنچنا تو یہی ظاہر کرتا ہے کہ اس کے مالک کو کوئی سنگین حادثہ پیش آ گیا ہے۔ خدیجہ کی زبانی مجھے جو حالات معلوم ہوئے ان کی روشنی میں فوری طور پر میں یہی اندازہ لگا سکا کہ امتیاز پر کسی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اس حملے کا نتیجہ کیا رہا، فی الحال اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کی جا سکتی تھی، بہر حال یہ خاصی تشویش ناک صورتِ حال تھی۔

میں نے خدیجہ سے پوچھا "کیا تمہیں یقین ہے، امتیاز شیخ فرید آباد ہی گیا تھا؟"

"اس نے مجھے یہی بتایا تھا۔" اس نے جواب دیا "امتیاز جب بھی گاؤں سے باہر جاتا ہے تو مجھے اپنے پروگرام سے ضرور آگاہ کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے کبھی مجھ سے غلط بیانی نہیں کی۔"

"اور تمہیں اس بات کا بھی یقین ہے!" میں نے اس کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے سوال کیا "کہ وہ فرید آباد میں ارشاد احمد سے ایک موٹی رقم لینے گیا تھا؟"

اس قسم کے سوالات میں اپنی تفتیش کا رخ متعین کرنے کے لیے پوچھ رہا تھا۔ خدیجہ نے میرے استفسار کے جواب میں سر کو اثباتی جنبش دی تو میں نے مزید پوچھا۔

"یہ ارشاد احمد کس قسم کا بندہ ہے؟"

"میری کبھی اس سے ملاقات نہیں ہوئی" اس نے بتایا "امتیاز اس کی تعریف کرتا ہے۔"

"تمہارا خاوند، ارشاد سے کتنی رقم لینے گیا تھا؟" میں نے ایک اہم سوال کیا۔

خدیجہ نے جواب دینے میں تھوڑا تامل کیا پھر بولی "تین ہزار روپے۔"

"اوہ!" میں ایک طویل سانس خارج کر کے رہ گیا۔

اس زمانے میں تین ہزار ایک بڑی رقم شمار ہوتی تھی۔ جن دنوں سونا اسی نوے روپے تولا اور اعلیٰ درجے کی گندم پانچ روپے من فروخت ہوتی ہو آپ تین ہزار روپے کی قدر و منزلت کا اندازہ بہ خوبی لگا سکتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے علاوہ روپے پیسے کی عزت و توقیر بھی جاتی رہی ہے۔ شاید انقلاب زمانہ اسی کو کہا جاتا ہے!

میں نے خدیجہ سے پوچھا "امتیاز کی کسی سے دشمنی وغیرہ تو نہیں تھی؟"

"دیکھیں جی!" وہ اپنی چادر درست کرتے ہوئے بولی "انسان کے جہاں دس دوست ہوتے ہیں وہاں ایک آدھ دشمن بھی ضرور ہوتا ہے...... مگر آپ یہ بات کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

میں نے اس کے استفسار کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا "زخمی گھوڑا کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا "گھوڑا ادھر گھر پر ہی ہے۔" پھر اپنے سوال کو دہراتے ہوئے پوچھنے لگی "تھانے دار صاحب! آپ نے امتیاز کے دشمنوں کے بارے میں کیوں بات کی ہے۔ خدانخواستہ......"

وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر متوحش نظر سے مجھے تکنے لگی، میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"دیکھو خدیجہ بیگم! زخمی گھوڑے کا امتیاز کے بغیر اکیلے ہی گھر پہنچنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تمہارا شوہر کسی سنگین حادثے کا شکار ہو گیا ہے اسی لیے میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے کوئی دشمنی تو نہیں پال رکھی تھی؟"

حادثے کا ذکر سن کر اس کی پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا، بکھری ہوئی آواز میں بولی "تھانے دار صاحب! آپ ڈرانے والی باتیں نہ کریں۔ میں امتیاز کے کسی ایسے بدخواہ کو نہیں جانتی جو...... جو......"

وہ اپنے شوہر کو پہنچنے والے کسی نقصان کا ذکر کرتے ہوئے بے پناہ خوف زدہ تھی اسی لیے جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔ میں نے اس کا ذہن بٹانے کی خاطر کہہ دیا۔

"تم فکر نہ کرو خدیجہ! میں تمہارے شوہر کو تلاش کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ فی الحال میں اس زخمی گھوڑے سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں جس پر سوار ہو کر امتیاز کل فرید آباد گیا تھا۔"

اس نے متذبذب انداز میں مجھے دیکھا اور بولی "گھوڑے سے ملاقات؟"

لفظ "ملاقات" نے شاید اس کے ذہن کو الجھا دیا تھا۔ میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "میں تمہارے گھر جا کر زخمی گھوڑے کا جائزہ لینا چاہتا ہوں!"

وہ جلدی سے بولی "ٹھیک ہے، آپ آئیں میرے ساتھ۔"

میں نے خدیجہ کو باہر بیٹھنے کے لیے کہا اور اے ایس آئی مراد کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔ میں مراد کو اپنے ساتھ خدیجہ کے گھر لے کر جانا چاہتا تھا۔ وہ جب میرے پاس آیا تو میں نے اسے ضروری تیاری کی ہدایت کی۔ تھوڑی ہی دیر میں مراد

نے روانگی کا بندوبست کر دیا۔
جب ہم تھانے سے باہر نکلے تو ہمارے لیے وہاں ایک تانگا موجود تھا۔ اس تانگے کا انتظام اے ایس آئی مراد نے کیا تھا۔ میں اے ایس آئی کے ساتھ تانگے کے اگلے حصے میں سوار ہو گیا اور خدیجہ کو پیچھے بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ تانگے کے پائے دان پر قدم رکھتے ہوئے ٹھٹک گئی پھر ہراساں نظر سے ایک طرف دیکھنے لگی۔
میں نے اس کی نگاہ کا تعاقب کیا اور ایک تانگا میری نظر میں آ گیا۔ خدیجہ یک ٹک اسی تانگے کو دیکھے جا رہی تھی جو مخالف سمت سے اب ہمارے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔
''خدیجہ! کیا بات ہے۔ تم تانگے پر سوار کیوں نہیں ہو رہیں؟''
''یہ لوگ یہاں بھی پہنچ گئے!'' اس نے بہ دستور دوسرے تانگے کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
میں نے سوال کیا ''یہ کون لوگ ہیں۔ تم انہیں دیکھ کر رک کیوں گئی ہو؟''
مذکورہ تانگے میں دو افراد (کوچ بان کے علاوہ) سوار تھے۔ اس نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا ''یہ میرا چھوٹا دیور ممتاز شیخ ہے۔ پتا نہیں، یہ یہاں کیا لینے آیا ہے؟''
''اسی سے پوچھ لیتے ہیں، تم کیوں فکر کرتی ہو!'' میں نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔
اس دوران میں مذکورہ تانگا ہمارے تانگے سے پانچ گز دور رک چکا تھا۔ خدیجہ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ اس کا چھوٹا دیور ممتاز شیخ ہے۔ میں نہیں جانتا تھا، ان دو افراد میں خدیجہ کا دیور کون ہے تاہم تانگا رکنے کے بعد ان میں سے ایک نیچے اترا اور تیزی سے خدیجہ کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ایک خوش پوش اور جوان شخص تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں دقت محسوس نہ ہوئی کہ وہی خدیجہ کا دیور تھا۔
میں بھی اپنے تانگے سے نیچے اتر آیا، اے ایس آئی کو میری تقلید کرنا پڑی۔ ممتاز شیخ کا انداز بتاتا تھا کہ وہ کوئی اہم خبر لے کر آیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ خدیجہ سے کوئی بات کرتا، خدیجہ نے ناپسندیدہ نظر سے اسے دیکھا اور نفرت آمیز لہجے میں بولی۔
''تم یہاں کیوں آئے ہو؟''
''بھابی! آپ بھی کمال کرتی ہو۔ کسی کو ساتھ نہیں لیا اور اکیلی ہی تھانے چلی آئیں!'' اس شخص نے شکوہ کرنے والے انداز میں کہا۔
اب اس بات میں کسی شک وشبے کی گنجائش باقی نہ رہی کہ وہ خوش پوش جوان شخص خدیجہ کا دیور ممتاز شیخ ہی تھا۔ اس کے شکایتی استفسار کے جواب میں خدیجہ نے بڑے جارحانہ انداز میں کہا۔
''تم کون ہوتے ہو مجھ سے سوال جواب کرنے والے؟''
اس منہ توڑ جواب پر ممتاز کھسیانا سا ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے قدرے سخت لہجے میں پوچھا ''ہاں جوان! تم کون ہو اور اس بی بی کو کیوں پریشان کر رہے ہو؟''
وہ گڑبڑا گیا اور جز بز ہوتے ہوئے بولا ''جناب! یہ میری بھابی ہے۔ بھائی صاحب امتیاز کی بیوی۔''
خدیجہ واضح الفاظ میں مجھے بتا چکی تھی، اپنے سسرالیوں سے اس کا میل ملاپ نہیں تھا اور ممتاز کے ساتھ اس کا حالیہ رویہ بھی یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ اسے سخت ناپسند کرتی تھی۔ اسی تناظر میں، میں نے ممتاز شیخ کو لتاڑ ڈالا۔
''یہ اگر تمہاری بھابی ہے تو پھر؟''
''جناب! مجھے پتا چلا ہے، بھائی صاحب رات کو گھر نہیں پہنچے اور صبح ہی صبح بھابی تھانے آ گئی ہیں۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا پھر دوبارہ خدیجہ کی طرف متوجہ ہو گیا ''بھابی! آپ ہی بتاؤ، آخر یہ چکر کیا ہے؟''
میں نے محسوس کر لیا کہ خدیجہ، ممتاز سے کسی قسم کی کوئی بات کرنے کی روادار نہیں حتی کہ ممتاز شیخ کا بار بار بھابی کہنا بھی اسے ناگوار گزر رہا ہے لہٰذا میں نے براہِ راست ممتاز سے کہا۔
''جوان! تم اپنی بھابی کو پریشان نہ کرو۔ وہ پہلے ہی تمہارے بھائی کے لیے بہت فکرمند ہے۔ اگر یہ چکر سمجھنا چاہتے ہو تو ہمارے پیچھے پیچھے اپنے تانگے کو لے آؤ۔ ہم اس وقت تمہارے گاؤں ہی جا رہے ہیں!''
وہ الجھن زدہ نظر سے خدیجہ کو دیکھنے لگا۔ میں نے خدیجہ سے کہا۔
''بی بی! تم بیٹھو تانگے میں۔ مجھے تھانے میں اور بھی بہت کام ہیں۔''
خدیجہ خاموشی کے ساتھ تانگے میں سوار ہو گئی۔ میں بھی اے ایس آئی کے ساتھ تانگے میں آ بیٹھا اور کوچ بان سے تانگا آگے بڑھانے کو کہا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں تانگے آگے پیچھے موضع قلعہ پھمن سنگھ کی جانب رواں دواں تھے۔

ممتاز اپنے تانگے میں' میری ہدایت کے مطابق ہمارے پیچھے آرہا تھا۔ دونوں تانگوں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو دوسرے تانگے میں نہیں سنی جاسکتی تھی۔

میں نے خدیجہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ''لگتا ہے' تم اپنے دیور سے شدید نفرت کرتی ہو؟''

''جس شخص سے ہمیشہ نقصان پہنچنے کا خطرہ رہے اس سے نفرت ہی کی جاسکتی ہے تھانے دار صاحب!'' وہ زہر لہجے میں بولی پھر کہا ''آپ سے میری ایک چھوٹی سی درخواست ہے!''

''ہاں کہو' کیا بات ہے؟'' میں نے اس سے پوچھا۔

وہ بولی ''یہ نامراد میرے گھر میں قدم نہیں رکھے گا!''

اس کے اظہار خیال پر اے ایس آئی چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

یہ ایک اتفاق تھا کہ خدیجہ کا کہا ہوا جملہ حسبِ منشا طنزیہ انداز میں اے ایس آئی پر بھی فٹ کیا جاسکتا تھا کیونکہ اے ایس آئی کا نام مراد تھا لیکن خدیجہ کی نیت میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس نے اے ایس آئی مراد پر کسی قسم کا کوئی طنز نہیں کیا تھا۔ وہ بے چاری تو اے ایس آئی کے نام سے بھی واقف نہیں تھی۔ ''نامراد'' سے اس کا سیدھا سیدھا اشارہ ممتاز شیخ کی طرف تھا۔

میں نے خدیجہ سے کہا ''تم اپنے گھر کی مالک ہو۔ جس کو چاہو' اندر داخل ہونے کی اجازت دو اور جس کو چاہو' باہر ہی روک دو۔ یہ سب تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔''

اس نے ایک بوجھل سانس خارج کی اور احسان مندی سے بولی ''آپ کا بہت بہت شکریہ۔''

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے استفسار کیا ''خدیجہ بی بی! تم اپنے دیور ممتاز شیخ سے اس قدر خفا کیوں ہو؟''

''یہ ایک لمبی چوڑی داستان ہے جناب!'' وہ ٹالنے والے انداز میں بولی ''پھر کبھی فرصت میں سناؤں گی' پہلے آپ میرے خاوند کا مسئلہ حل کریں۔'' ایک لمحے کے توقف کے بعد وہ اداس لہجے میں بولی ''بس اتنا سمجھ لیں تھانے دار صاحب! آج تک مجھے اپنے سسرال والوں سے کوئی سکھ نہیں ملا!''

میں خاموشی سے اس دکھی عورت کے بارے میں سوچنے لگا۔

بعض لوگوں کے چہرے ایسے ہوتے ہیں جنہیں دیکھتے ہی ایسا لگتا ہے کہ وہ دوسروں کے ظلم وستم کا شکار ہیں۔ ایسا ہو یا نہ ہوتا ہم' ان کے چہرے سے یہی ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ اس قسم کے ازلی مظلوم چہروں کی بات الگ ہے لیکن خدیجہ ایسی خوب صورت اور طرح دار عورت کو دکھی اور ملول دیکھنا واقعی بڑے دکھ اور افسوس والی بات تھی۔ ان لمحات میں' میں خدیجہ کے لیے اپنے دل میں بے پناہ ہمدردی محسوس کررہا تھا۔

☆☆☆

خدیجہ کا گھر قلعہ پھمن سنگھ کے عین وسط میں واقع تھا۔ ہمارا تانگا جس جس گلی سے گزرا' لوگوں نے حیرت اور تشویش کے ملے جلے تاثرات سے ہمیں دیکھا۔ میں اور اے ایس آئی مراد یونیفارم میں تھے۔ پولیس کی ویسے ہی بڑی دہشت ہوتی ہے اور ہم صبح ہی صبح اس گاؤں پہنچ گئے تھے۔ میں نے محسوس کیا' جب تک ہم خدیجہ کے گھر تک رسائی حاصل کرتے' ممتاز شیخ والے تانگے میں دو تین اور افراد بھی سوار ہوگئے تھے۔

ہم گھر کے اندر داخل ہونے لگے تو پھر ایک مسئلہ آن کھڑا ہوا۔ ممتاز کی کوشش تھی کہ وہ بھی اندر آئے گا لیکن خدیجہ نے اس کی شدید مخالفت کی چنانچہ مجھے اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ممتاز کو باہر ہی روکنا پڑا۔ میں نے مختصر الفاظ میں اے ایس آئی کو ضروری ہدایات دیں اور کہا۔

''مراد! تم ادھر ہی گھر کے باہر رکو اور میری اجازت کے بغیر کسی کو اندر نہ آنے دینا۔''

''آپ بے فکر ہوکر جائیں ملک صاحب!'' اے ایس آئی نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔

خدیجہ کے گھر کے سامنے اچھے خاصے افراد جمع ہوگئے تھے۔ شاید یہ بات پورے گاؤں ہی کو معلوم ہوگئی تھی کہ وہاں پولیس آئی ہے۔ میں نے وہاں پر موجود لوگوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور میری تجربے کار نظر نے پلک جھپکتے میں دو افراد کا انتخاب کرلیا۔ ان کے نام فرمان علی اور وحید اللہ تھے۔ وہ اپنے حلیے اور وضع قطع سے معتبر دکھائی دیتے تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور خدیجہ کے گھر میں داخل ہوگیا۔

وہ ایک آسودہ حال زمیں دار کا گھر تھا۔ صحن کو میں نے خاصا کشادہ اور درخت دار پایا۔ میری خواہش پر خدیجہ مجھے اس کمرے تک لے گئی جو امتیاز شیخ کے گھوڑے کے لیے مخصوص تھا۔ مذکورہ کمرا بڑے سے گیٹ نما داخلی دروازے کے قریب ہی واقع تھا۔ خدیجہ کی زبانی مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے دیگر مویشی گھر کے عقب میں' باڑے میں رہتے تھے لیکن امتیاز اپنے گھوڑے کو ہمیشہ گھر کے اندر ہی باندھتا تھا

حتیٰ کہ اس کے لیے ایک خصوصی کمرا بھی گھر میں تعمیر کرا رکھا تھا۔

میں نے خدیجہ سے پوچھا ''اب تو بہار کا موسم شروع ہو چکا ہے۔ فضا میں اتنی خنکی نہیں رہی کہ جانوروں کو اندر باندھا جائے' پھر تم نے گھوڑے کو کمرے میں کیوں رکھا ہوا ہے؟''

''آپ اس کی حالت دیکھیں گے تو یہ بات خود ہی سمجھ میں آ جائے گی۔'' وہ سپاٹ آواز میں بولی۔

میں نے جب مذکورہ گھوڑے کو دیکھا تو خدیجہ کی بات واقعی میری سمجھ میں آ گئی۔ وہ سفید رنگ کا ایک جاذب نظر اور صحت مند گھوڑا تھا۔ اسی رنگت کے سبب اس کے زخم کچھ زیادہ ہی نمایاں ہو کر نظر آ رہے تھے۔ وہ اس وقت کمرے کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بدن کا بالائی حصہ زخموں سے چُور تھا۔ ان میں سے بعض خاصے تشویش ناک زخم تھے۔ میرے اندازے کے مطابق وہ تیز دھار کلہاڑی کے زخم تھے۔ میں نے فرمان علی اور وحید اللہ کی مدد سے بہ مشکل گھوڑے کو اٹھ کر کھڑا ہونے پر مجبور کیا۔

گھوڑے کی ٹانگیں کپکپائیں اور وہ کسی برفانی تودے کے مانند بے بسی سے فرش پر ڈھے گیا۔ اس لمحاتی مدت میں' میں یہ دیکھنے میں کامیاب ہو گیا کہ دیگر بدن کی بہ نسبت اس کی ٹانگیں خطرناک حد تک زخمی تھیں۔ بے اختیار میرے منہ سے نکل گیا۔

''یہ بے زبان گھر تک پہنچا کیسے ہوگا؟''

''اسی بات کی تو مجھے بھی حیرت ہے!'' مجھے اپنے عقب میں خدیجہ کی آواز سنائی دی' پھر اس آواز سے ایک کرب جھلکنے لگا ''پتا نہیں' میرے خاوند کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟''

اس وقت میں براہِ راست اس مجبور و لاچار سفید گھوڑے کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پتا نہیں' یہ میرا وہم تھا یا چوئیشن کا اثر' بہر حال مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ گھوڑا مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ میں کافی دیر تک یک ٹک اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا لیکن ان محسوسات میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ کاش! مجھے جانوروں کی آنکھوں میں نمودار ہونے والے تاثرات کو پڑھنا آتا ہوتا تو میں یہ جاننے میں کامیاب ہو جاتا کہ وہ بے زبان مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ ممکن ہے' وہ اپنے مالک امتیاز شیخ کے بارے میں کوئی اطلاع دینا چاہتا ہو!

اس گھوڑے کے لیے میرا دل ہمدردی کے جذبات سے لبریز ہو گیا' خاص طور پر جب میں نے اسے اٹھا کر کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ کسی معذور شخص کی طرح کانپتا لرزتا زمیں بوس ہو گیا تھا' اس دکھی منظر نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میرے ذہن نے اسی لمحے فیصلہ سنا دیا' مجھے فوری طور پر اس گھوڑے کو ابتدائی طبی امداد بہم پہنچانے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اس دوران میں وہ مسلسل رحم طلب نظر سے مجھے دیکھتا رہا۔

پانچ منٹ کی ہنگامی پوچھ گچھ کے بعد میں یہ جاننے میں کامیاب ہو گیا کہ قلعہ چھمن سنگھ میں کوئی باقاعدہ شفا خانۂ حیوانات موجود نہیں تھا۔ اس جستجو سے بہر حال یہ مثبت نتیجہ بھی سامنے آیا کہ ظہوری چاچا نامی ایک شخص بیمار اور زخمی جانوروں کا علاج معالجہ کرتا ہے۔ وہ شخص اس گاؤں میں ڈنگر ڈاکٹر کے نام سے مشہور تھا۔

میں نے ایک بندہ بھیج کر فوری طور پر ڈنگر ڈاکٹر ظہوری چاچا کو خدیجہ کے گھر بلوالیا۔ ظہوری پینتالیس پچاس سال کا ایک کیم شحیم اور قد آور شخص تھا۔ وہ مختلف قسم کے محلول' مرہم اور دیگر ادویات سے بھرا ہوا ایک تھیلا بھی ساتھ لایا تھا۔ میری نگرانی میں اس نے ''مریض'' کا تفصیلی معائنہ کیا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

میں ڈنگر ڈاکٹر کو گھوڑے کی مرہم کاری میں لگا کر خدیجہ کے ساتھ گھر کے اندرونی حصے میں آ گیا۔ احتیاطاً میں نے فرمان علی اور وحید اللہ کو بھی اپنے ہمراہ رکھا۔ گھوڑے کی حالت اور زخموں کی نوعیت کو دیکھ کر مجھے یہ اندازہ قائم کرنے میں ذرا بھی دقت محسوس نہ ہوئی کہ فرید آباد سے قلعہ چھمن سنگھ کی طرف آتے ہوئے امتیاز شیخ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور زیادہ امکان اس بات کا تھا کہ جب میں امتیاز کی تلاش میں نکلوں گا تو اس کی زخم زخم لاش سے سامنا ہوگا۔ تاہم' میں نے اپنے اس اندازے کے بارے میں خدیجہ کو کچھ نہ بتایا۔

گھر کے اندرونی حصے میں خدیجہ کے اکلوتے بیٹے الطاف سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ سانولے رنگ کا ایک دھان پان سا لڑکا تھا۔ الطاف اپنے والد کی پراسرار گمشدگی پر خاصا پریشان تھا۔ اس کی عمر لگ بھگ دس سال رہی ہوگی۔ یہ ایسی عمر ہوتی ہے کہ بعض سنگین واقعات انسان پر بری طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان لمحات میں انسان جو سوچ رہا ہوتا ہے' جو محسوس کر رہا ہوتا ہے اسے بیان کرنے کی بھرپور صلاحیت نہیں رکھتا۔ الطاف بھی مجھے ایسی ہی کشمکش کا شکار نظر آیا۔

میں خدیجہ کے ساتھ اس کمرے میں آ گیا جہاں امتیاز شیخ رات کو سویا کرتا تھا۔ امتیاز کو پیش آنے والے واقعات کا

مجھے تو اندازہ ہوچکا تھا مگر میں خدیجہ کے سامنے اپنے اندازے کا کھل کر اظہار نہیں کرسکتا تھا۔ لہٰذا اس کمرے میں کسی ایسی شے کو تلاش کرنے میں لگ گیا جس سے امتیاز کے کسی دشمن کا سراغ مل سکے لیکن باوجود کوشش کے بھی ایسا کوئی سرا ہاتھ نہ آسکا۔ میرے ذہن میں یہ بات بھی موجود تھی کہ امتیاز ایک موٹی رقم لے کر فرید آباد سے روانہ ہوا تھا۔ کہیں اس مال و دولت نے تو اسے کسی مصیبت میں نہیں ڈال دیا۔

میں نے ایک مرتبہ پھر خدیجہ سے کرید کرید کر امتیاز کے کسی دشمن کے بارے میں پوچھا۔ اس مرتبہ بھی اس کا جواب نفی ہی میں تھا۔ وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔

''تھانے دار صاحب! اگر میں اپنے خاوند کے کسی دشمن سے واقف ہوتی تو آپ کو اس کے بارے میں ضرور بتاتی۔ خدا کے واسطے آپ امتیاز کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔''

''میں اسی کوشش میں لگا ہوا ہوں خدیجہ بیگم!'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''تم فکر نہ کرو' میں بہت جلد اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔''

میں نے خدیجہ کو تسلی تو دے دی لیکن خود مجھے اپنا لہجہ کھوکھلا اور الفاظ بے معنی محسوس ہورہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے اسے فارغ کردیا اور وہاں سے رخصت ہونے کے لیے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

خدیجہ نے منت ریز لہجے میں کہا ''تھانے دار صاحب! جیسے ہی میرے خاوند کا کوئی سراغ ملے' آپ مجھے ضرور بتائیں گے!''

''ظاہر ہے' تمہیں ہی بتاؤں گا بی بی!'' میں نے کہا ''وہ تمہارا شوہر ہے۔''

''آپ اس معاملے میں میرے سسرال والوں کی کوئی مدد نہیں لیں گے!'' وہ قطعیت سے بولی۔

''ٹھیک ہے' اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھوں گا۔'' میں نے اس کی تسلی کے لیے کہہ دیا۔

وہ قدرے مطمئن ہوگئی۔ میں بہ خوبی سمجھ رہا تھا' اپنے سسرالی رشتے داروں کو اپنے معاملے میں ملوث نہ کرنے میں اس کی کسی بدنیتی کو دخل نہیں تھا۔ وہ شدید نفرت اور ناپسندیدگی کے طفیل ان لوگوں کو اپنے ذاتی معاملات سے دور ہی رکھنا چاہتی تھی حالانکہ اس کا یہ رویہ انتہائی نامعقول اور غیر منطقی تھا۔ امتیاز شیخ صرف اس کا شوہر نہیں بلکہ کسی کا بھائی بھی تھا۔ ممتاز شیخ وغیرہ براہِ راست اس کے معاملے میں شریک ہوسکتے تھے۔ میں چونکہ خدیجہ کی پریشانی اور سوچ کو سمجھ گیا تھا اس لیے میں نے اس سلسلے میں اس سے کوئی ضد بحث نہیں کی۔

جب میں اس گھر سے رخصت ہونے لگا تو ڈنگر ڈاکٹر ظہوری سے دوبارہ ملاقات ہوگئی۔ وہ گھوڑے کو ہنگامی ٹریٹ منٹ دے کر فارغ ہوچکا تھا۔ میں نے اس سے پوچھ لیا۔

''کیا خیال ہے ظہوری! جوان کب تک اٹھ کر اپنے قدموں پر کھڑا ہوجائے گا؟''

''چار پانچ دن تو لگ ہی جائیں گے جناب!'' وہ میرا اشارہ سمجھ گیا اور گھوڑے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ''زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ بھی لگ سکتا ہے۔''

''اور یہ کب تک چلنے پھرنے کے قابل ہوجائے گا؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھ لیا۔

''جناب! یہ انسان نہیں' جانور ہے۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا ''ادھر یہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے کے قابل ہوا' ادھر چلنا پھرنا اور بھاگنا دوڑنا شروع۔''

انسان کی بہ نسبت جانوروں میں قوتِ برداشت' قوتِ مدافعت اور قوتِ مزاحمت زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں جانور سے مراد حیوان ہے ورنہ ایک طرح سے انسان بھی جانور ہی تو ہے!

جانے سے پہلے میں نے ایک نظر اس گھوڑے کو دیکھنا ضروری سمجھا۔ پتا نہیں کیوں' ایک لمحاتی ملاقات میں مجھے اس سے اچھی خاصی انسیت ہوگئی تھی۔ جب میں اس گھوڑے کے مخصوص کمرے میں پہنچا تو دوسری جانب بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پایا۔ مجھ سے نگاہ ملتے ہی وہ ممنونیت بھری نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے یوں محسوس کیا جیسے وہ میرا شکرگزار ہو۔ میں نے تسلی آمیز انداز میں اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا تو وہ بڑے نحیف اور سریلے انداز میں ہنہنایا۔ یہ اس کی خوشی کا اظہار تھا۔

میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے ایسے مخاطب کیا جیسے وہ کوئی باشعور حیوان ناطق ہو'' فکر نہ کرو جوان! تم بہت جلد دوبارہ چلنے پھرنے کے لائق ہوجاؤ گے۔''

وہ پہلے والے انداز میں دھیرے سے ہنہنایا اور اپنی دم کو ہلانے لگا۔ میں اسے مزید تسلی دلاسا دے کر کمرے سے باہر نکل آیا۔ ظہوری میرے ساتھ ہی تھا۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے تاکیدی لہجے میں کہا۔

''تم دن میں ایک مرتبہ ضرور اسے دیکھنے آؤ گے ظہوری!''

''جو حکم سرکار! اپنا تو کام ہی ڈھور ڈنگر کی خدمت کرنا

ہے۔‘‘ وہ فرماں برداری سے بولا۔
میں خدیجہ کے گھر سے باہر نکل آیا اور اے ایس آئی کی تلاش میں اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔
وہ اپنے تانگے کے قریب‘ ممتاز شیخ کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ میں سبک قدموں سے چلتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گیا۔ ممتاز شیخ مجھے دیکھ کر چونکا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔
’’تھانے دار صاحب! یہ تو بڑی زیادتی والی بات ہے نا!‘‘
’’کیوں بھئی! میں نے تمہارے ساتھ کون سی زیادتی کی ہے؟‘‘ میں نے تیز نظر سے اسے گھورا۔
’’او جناب! خدیجہ نے تو کچھ نہیں بتایا لیکن اب یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ بھائی صاحب کہیں غائب ہو گئے ہیں‘‘ اس کا اشارہ اپنے بڑے بھائی امتیاز شیخ کی طرف تھا ’’ان کا زخمی گھوڑا آج صبح یہاں پہنچا ہے۔ خدانخواستہ! بھائی صاحب کو کوئی حادثہ تو پیش نہیں آ گیا؟‘‘
’’ممتاز شیخ! میں بھی تمہارے ہی انداز میں سوچ رہا ہوں‘‘ میں نے کہا ’’لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تمہارے ساتھ کیا زیادتی ہو رہی ہے؟‘‘
’’جناب! میرا بھائی گم ہو گیا اور مجھے ہی اس معاملے سے الگ رکھا جا رہا ہے۔ آپ نے بھابی خدیجہ کا رویہ دیکھا ہے؟‘‘ وہ احتجاجی لہجے میں بولا ’’یہ زیادتی نہیں تو اور کیا ہے!‘‘
اس کا احتجاج جائز تھا۔ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ’’ممتاز شیخ! میں نہیں جانتا‘ خدیجہ سے تمہارے کیا اختلافات ہیں لیکن فکر نہ کرو‘ میں تمہیں امتیاز شیخ کی گمشدگی والے معاملے سے علیحدہ نہیں رکھوں گا۔‘‘
’’اللہ آپ کا بھلا کرے ملک صاحب!‘‘ وہ اطمینان بھری سانس چھوڑتے ہوئے بولا ’’ذرا مجھے بھی بتائیں‘ بھائی صاحب کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟‘‘
اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتا‘ وہ چوکنا نظر سے خدیجہ کے گھر کے گیٹ کی جانب دیکھتے ہوئے بولا ’’میرا خیال ہے‘ یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنا مناسب نہیں۔ اگر خدیجہ بھابی نے دیکھ لیا تو کوئی اور مصیبت کھڑی کر دے گی۔ وہ فتنہ فساد کی خاصی ماہر ہے!‘‘
اس نے اپنی بھابی کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا اس سے مجھے یہ سمجھنے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ بھی اپنے دل میں اس عورت کے لیے اچھے اور بھلائی کے جذبات نہیں رکھتا تھا‘ گویا یہ قول کہنے‘ تالی دو ہاتھ سے بج رہی تھی جن میں ایک ہاتھ خدیجہ کا اور دوسرا ممتاز شیخ کا تھا۔
میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تجویز پیش کی ’’کیا خیال ہے‘ پھر تھانے چلیں؟‘‘
میرے انداز نے اسے گڑبڑا دیا‘ گھبراہٹ آمیز لہجے میں بولا ’’آپ مجھے تھانے کیوں لے کر جانا چاہتے ہیں؟‘‘
’’تمہیں تھانے جاتے ہوئے خوف کیوں محسوس ہو رہا ہے۔ کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے؟‘‘
’’نن......نہیں جناب! میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔‘‘ وہ جلدی سے بولا۔
میں نے کہا ’’پھر ڈرنے والی کوئی بات نہیں۔ تانگے میں آ جاؤ۔‘‘
تھوڑے سے تامل کے بعد وہ تانگے پر سوار ہو گیا۔
تانگا تھانے کی جانب بڑھ گیا۔
راستے میں‘ میں نے ممتاز شیخ کو اس کے بڑے بھائی امتیاز شیخ کے بارے میں تفصیلاً بتا دیا۔ یہ تمام تر باتیں وہی تھیں جو خدیجہ کی زبانی مجھ تک پہنچی تھیں‘ یعنی امتیاز کا فرید آباد جانا‘ وہاں کے ایک زمین دار ارشاد احمد سے ملنا اور تین ہزار کی رقم کے ساتھ فرید آباد سے واپس قلعہ کچھمن سنگھ آنا۔ اس نے میری بات غور سے سنی اور میرے خاموش ہونے پر بولا۔
’’میں محسوس کر رہا ہوں‘ بھائی صاحب کے ساتھ جو بھی سنگین واقعہ پیش آیا ہے وہ موضع فرید آباد اور قلعہ کچھمن سنگھ کے درمیان ہی رونما ہوا ہے۔ ہمیں اس علاقے کا اچھی طرح جائزہ لینا چاہیے۔ مجھے یہ راہ زنی کی کوئی واردات معلوم ہوتی ہے۔ تین ہزار روپے کوئی معمولی رقم نہیں ہوتی۔‘‘
میں نے کہا ’’ممتاز شیخ! میں تمہاری بات سے اتفاق کرتا ہوں۔ بتاؤ‘ تم اس تلاش کے سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟‘‘
’’آپ جو بھی حکم کریں!‘‘ وہ سوالیہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔
ہمارا تانگا تھانے کے قریب پہنچ رہا تھا۔ میں نے گہری سنجیدگی سے کہا ’’ممتاز شیخ! میں چاہتا ہوں تم واپس گاؤں جاؤ اور دوپہر سے پہلے کوئی سے دو قابلِ اعتماد افراد کو لے کر میرے پاس تھانے آ جاؤ۔‘‘
اس کے پلّے کچھ نہ پڑا‘ الجھن زدہ نظر سے مجھے دیکھتے ہوئے بولا ’’پھر؟‘‘
’’پھر یہ کہ......‘‘ میں نے لمحاتی توقف کے بعد اضافہ کرتے ہوئے کہا ’’اس دوران میں‘ میں ایک پولیس پارٹی

ترتیب دے لوں گا۔ تمہیں ہماری پارٹی کے ساتھ جنگل میں جانا ہوگا...... اپنے بھائی کی تلاش میں!''

''منظور ہے۔'' وہ سینہ ٹھونکتے ہوئے بولا ''میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔''

''لیکن ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا ممتاز!'' میں نے تنبیہی انداز میں کہا ''خدیجہ کو اس منصوبے کی بھنک نہیں ملنا چاہیے ورنہ وہ بھڑک کر ہتھے سے اکھڑ جائے گی۔ میں نے محسوس کیا ہے' وہ تمہیں پسند نہیں کرتی۔''

''یہ اس کا پاگل پن ہے ملک صاحب!'' وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا ''میں نے تو کبھی اس کی کوئی بکری نہیں چرائی' بہر حال!'' وہ لمحے بھر کو خاموش ہوا پھر بات مکمل کرتے ہوئے بولا ''اگر آپ کا حکم ہے تو میں اپنی سرگرمی کے سلسلے میں زبان بندی رکھوں گا۔''

''شاباش...... اب تم فوراً واپس چلے جاؤ۔'' میں نے کہا۔

اس وقت تک ہمارا تانگا تھانے کے سامنے پہنچ کر رک چکا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق ممتاز شیخ نے واپسی کی راہ لی اور میں اے ایس آئی کے ہمراہ چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گیا۔

اے ایس آئی نے مجھ سے پوچھا ''ملک صاحب! کیا واقعی آپ ممتاز شیخ کو متلاشی پارٹی میں شریک کرنا چاہتے ہیں؟''

''کیوں' کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟'' الٹا میں نے اسی سے سوال کر ڈالا۔

''نن...... نہیں! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' وہ گڑبڑا گیا۔

میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''مراد! ایک بات ذہن میں رکھنا کہ یہ ممتاز شیخ بھی مشکوک افراد کی فہرست میں شامل ہے۔ خدیجہ کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے' دونوں بھائیوں کے درمیان بھی خوشگوار تعلقات نہیں تھے۔ تمہیں میں یہ سب کچھ اس لیے بتا رہا ہوں کہ اس کی نگرانی بھی تم ہی کرو گے۔''

''نگرانی...... میں کچھ سمجھا نہیں ملک صاحب!'' وہ متذبذب نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے ایک فوری منصوبے کے تحت کہا ''میں تو ایک کانسٹیبل کے ساتھ موضع فرید آباد جا رہا ہوں۔ امتیاز کی تلاش کے سلسلے میں ارشاد احمد نامی اس شخص سے ملاقات بہت ضروری ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں وہاں سے مفید معلومات حاصل کر کے لوٹوں گا۔''

میں سانس لینے کو متوقف ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''پولیس کی جو پارٹی امتیاز شیخ کی تلاش میں جنگل کی طرف جائے گی اس کے لیڈر تم ہو گے۔ ممتاز شیخ دو قابلِ بھروسا بندوں کو لے کر تھانے پہنچنے والا ہے۔ تم اپنی ضرورت کے مطابق دو تین کانسٹیبلو کو ساتھ لے لینا اور جنگل کی طرف روانہ ہو جانا۔ امتیاز شیخ کی گمشدگی کا سراغ تو لگانا ہی ہے' اس کے ساتھ ہی تمہیں ممتاز شیخ پر بھی کڑی نگاہ رکھنا ہے۔ اس کی حرکات و سکنات اور ایک ایک رویے کو نوٹ کرنا ہے۔ کیا تم یہ کام کر لو گے؟''

''آپ فکر نہ کریں ملک صاحب! میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا۔

میں نے کہا ''میں شام سے پہلے واپس آنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے' تم لوگ اس سے پہلے ہی کسی اچھی بری خبر کے ساتھ تھانے پہنچ چکے ہو گے۔ جب میں آؤں تو رپورٹ تیار ہونا چاہیے!''

''اوکے سر!'' وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

میں نے دھیمی آواز میں کہا ''اور ہاں' ممتاز شیخ کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں فرید آباد جا رہا ہوں۔ اگر وہ میرے بارے میں استفسار کرے تو تم کوئی بھی بہانہ کر دینا۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ کسی فوری کام سے مجھے ایس پی آفس جانا پڑ گیا ہے۔''

''میں اچھی طرح سمجھ گیا جناب!'' وہ پُراعتماد لہجے میں بولا ''آپ مطمئن ہو کر جائیں۔ یہاں کے معاملات کو میں سنبھال لوں گا۔ انشا اللہ! آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔''

میں نے ایک ہوشیار قسم کے کانسٹیبل الٰہی بخش کو ساتھ لیا پھر ہم دونوں' گھوڑوں پر سوار ہو کر موضع فرید آباد کی جانب روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

ارشاد احمد موضع فرید آباد میں' چھوٹے چودھری کے نام سے مشہور تھا۔ وہ رشتے میں بڑے چودھری شمشاد احمد کا بھانجا لگتا تھا۔ زمین داری کے علاوہ اس نے اور بھی بہت سارے کاموں میں ٹانگیں پھنسا رکھی تھیں۔ غلہ منڈی میں اس کی آڑھت کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ ازیں علاوہ ایک ٹیکسٹائل فیکٹری میں بھی وہ نصف کا حصے دار تھا۔ ہم پوچھتے پاچھتے دوپہر کے وقت اس کی حویلی پہنچ گئے۔

موضع فرید آباد میں صرف دو ہی حویلیاں تھیں۔ ایک بڑی اور دوسری چھوٹی اور یہ دونوں حویلیاں اپنے ہم منصب

چودھریوں سے منسوب تھیں۔ ہم چھوٹے چودھری ارشاد احمد کی حویلی پہنچے اور ایک ملازم صورت شخص سے کوٹھی کے اندر، اپنی آمد کی اطلاع پہنچائی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کبرو جوان حویلی کے گیٹ پر نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی جاگیردارانہ رعونت پائی جاتی تھی۔

اس جوان نے تنقیدی نظر سے ہمارا اور ہمارے گھوڑوں کا جائزہ لیا پھر استفسار کیا ”آپ کو اباجی سے کیا کام ہے؟“

میں نے جس شخص کے ہاتھ اندر اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی تھی اسے میں نے بتادیا تھا‘ ہم ارشاد احمد سے ملنے آئے ہیں۔ اس نوجوان رعنا نے جس انداز میں سوال کیا اس سے واضح ہوگیا‘ وہ ارشاد احمد کا صاحب زادہ تھا۔

میں نے معتدل لہجے میں کہا ”برخوردار! کام تمہارے اباجی سے ہے تو بتاؤں گا بھی اسے ہی۔ کیا ارشاد احمد حویلی ہی میں ہے؟“

اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور بولا ”ہیں تو حویلی ہی میں لیکن اس وقت وہ آرام کررہے ہیں۔“

”یہ کون سا آرام کا وقت ہے؟“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”وہ دراصل‘ بات یہ ہے کہ پچھلے تین چار روز سے اباجی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“ اس نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا ”بخار تو اب نہیں آرہا لیکن کمزوری بہت ہوگئی ہے۔“

”تم نے اپنا نام نہیں بتایا برخوردار؟“ میں نے نرم لہجے میں استفسار کیا۔

”مجھے چودھری دلشاد احمد کہتے ہیں۔“ وہ سینہ پھلاتے ہوئے بولا۔

میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا ”دلشاد احمد! میں اس علاقے کا تھانے دار ہوں۔ میرا نام ملک صفدر حیات ہے اور یہ ہے کانسٹیبل الٰہی بخش!“ میں نے اپنے ہمراہی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا ”ہم ایک انتہائی ضروری کام کے سلسلے میں تمہارے اباجی سے ملنے آئے ہیں۔“

اس تعارف سے وہ قدرے متاثر نظر آنے لگا‘ اس کی کلف لگی گردن میں تھوڑی نرمی پیدا ہوئی اور وہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

”آپ اندر آجائیں جناب! میں اباجی کو آپ کے بارے میں بتاتا ہوں۔“

اس کی بات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ملازم کو اس نے ارشاد احمد تک پہنچنے ہی نہیں دیا تھا۔ بہرحال‘ ہم اس کی معیت میں چلتے ہوئے حویلی کے اندر داخل ہوئے۔ گیٹ والی دیوار کے ساتھ ہی اندرونی جانب ایک وسیع و عریض ہال نما بیٹھک بنی ہوئی تھی۔ دلشاد احمد ہمیں اس بیٹھک میں بٹھا کر حویلی کے اندرونی حصے میں غائب ہوگیا۔

ملازم صورت شخص نے دلشاد کے اشارے پر ہمارے گھوڑوں کی لگامیں تھام لی تھیں۔ بیٹھک کی طرف آتے ہوئے ہم نے اپنے گھوڑے اس شخص کے حوالے کردیے۔ یقیناً وہ شخص دانے پانی سے ہمارے گھوڑوں کی تواضع کرتا۔ وہ دونوں جانور اب چھوٹے چودھری کے ملازم کی میزبانی میں تھے۔

ارشاد احمد کی بیٹھک کی سجاوٹ سے اس کے ذوق اور شوق کا اظہار ہوتا تھا۔ ہم دونوں دبیز صوفوں پر بیٹھ کر‘ وہاں کی آرائش و زیبائش کا جائزہ لینے لگے۔ پانچ منٹ بعد ارشاد احمد کا فرزند ارجمند دلشاد احمد ہمارے پاس آیا اور بولا۔

”ملک صاحب! آپ کو اباجی نے اندر بلایا ہے۔“

”کیا وہ یہاں نہیں آسکتے؟“ میں نے اس سے پوچھا۔

”اگر آسکتے تو ضرور آجاتے۔ میں آپ کو ان کی طبیعت کے بارے میں بتا چکا ہوں۔“

”ٹھیک ہے برخوردار!“ میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا ”میں ہی ان کے پاس چلا جاتا ہوں۔“

میری تقلید میں الٰہی بخش نے بھی نشست چھوڑ دی۔ دلشاد احمد اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ”بادشاہو! آپ ادھر ہی بیٹھو۔ آپ کی خدمت شدمت یہیں پر کردی جائے گی۔ اباجی نے صرف تھانے دار صاحب کو بلایا ہے۔“

الٰہی بخش نے سوالیہ نظر سے میری جانب دیکھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے سمجھا دیا کہ وہ بے فکر ہوکر بیٹھک میں صوفہ سنبھالے رکھے۔ میں ارشاد احمد سے ملاقات کرکے بہت جلد باہر آتا ہوں۔ وہ مطمئن ہوکر دوبارہ صوفے میں دھنس گیا۔ میں دلشاد کی راہنمائی میں حویلی کی اندرونی سمت بڑھ گیا۔

چودھریوں‘ وڈیروں اور سرداروں کی حویلیوں میں زنان اور مردان خانے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور اگر کسی غیر کو مجبوراً زنان خانے میں سے گزرنا پڑ جائے تو بڑے سخت پردے کا بندوبست پہلے کردیا جاتا ہے۔ ارشاد احمد بھی اس وقت حویلی کے زنان خانے میں آرام کررہا تھا لہٰذا میں مختلف نازک مراحل طے کرنے کے بعد اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔

وہ ایک بیڈروم تھا اور ارشاد احمد ایک کشادہ بیڈ پر اونچے تکیے کی ٹیک لگائے دراز تھا۔ میں نے اس کی عمر کا اندازہ پچپن

اور ساٹھ کے درمیان لگایا۔ وہ اپنے جثے اور وضع قطع سے ایک صحت منداور چاق و چوبند شخص نظر آتا تھا۔ تاہم' اس چند روزہ بیماری نے اسے پچھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ میں نے اس بیڈ روم میں داخل ہونے کے بعد متوازن آواز میں ''السلام علیکم'' کہا۔

چھوٹے چودھری نے میرے سلام کا نحیف آواز میں جواب دیا اور اپنی مدد آپ کے تحت اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اسے اس کوشش میں جزوی کامیابی ہوئی تاہم' دلشاد لپک کر آگے بڑھا اور سہارا دے کر باپ کو بہ آہستگی بٹھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ارشاد کی پشت پر دو تین تکیے رکھ کر مکمل ٹیک فراہم کر دی۔

میں نے بڑی نرمی کے ساتھ ارشاد احمد سے مصافحہ کیا اور اس کرسی پر بیٹھ گیا جو غالباً میرے ہی لیے اس کے بیڈ کے پاس ڈال دی گئی تھی۔ دلشاد مجھے اپنے باپ کی خواب گاہ میں پہنچانے کے بعد واپس نہیں گیا بلکہ پائنتی خاموش کھڑا رہا۔ ہمارے درمیان رسمی علیک سلیک ہو چکی تو اس نے بیٹے سے کہا۔

''جا پتر! ملک صاحب کے لیے چائے پانی کا بندوبست کر'' اس کے ایک ایک لفظ سے نقاہت ٹپکتی تھی ''ہماری خوش نصیبی ہے کہ یہ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے ورنہ یہ تو اتنے مصروف بندے ہیں کہ بس......''

اس نے معنی خیز انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو دلشاد فوراً وہاں سے رخصت ہو گیا۔ چھوٹے چودھری ارشاد احمد سے یہ میری پہلی ملاقات تھی لیکن اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا' وہ میرے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔ دراصل' میرا ہزاروں لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا اور ہزاروں لوگوں کا مجھ سے۔ کثیر التعداد لوگوں کے لیے کسی ایک شخص کو یاد رکھنا بہت آسان ہوتا ہے' بہ نسبت اس ایک شخص کے کہ وہ ہزاروں لوگوں کو یاد رکھے۔

میں نے گفتگو کا آغاز اس کی بیماری سے کیا اور پوچھا ''اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ آپ کے صاحب زادے نے مجھے آپ کی علالت کے بارے میں بتایا ہے۔''

''اب تو کافی ٹھیک ہوں'' اس نے آہستگی سے بتایا ''بس کمزوری باقی ہے۔ وہ تو آہستہ آہستہ ہی جائے گی۔''

میں نے کہا'' بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔ یہ کمزوری بڑی ظالم شے ہے۔ گھوڑے کی رفتار سے آتی ہے اور جوں کی رفتار سے رخصت ہوتی ہے۔''

وہ اپنے سوکھے ہوئے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ سجاتے ہوئے بولا ''میرا خیال ہے' کمزوری سے بھی زیادہ ظالم شے بیماری ہے جس کے سبب یہ کمزوری انسان پر حملہ آور ہوتی ہے۔''

''بالکل' بالکل!'' میں نے اثبات میں سر ہلایا ''یہ تو ہے لیکن آپ فکر نہ کریں۔ آپ نے بڑی ظالم شے کو پچھاڑ دیا ہے۔ یہ کمزوری تو آپ کے سامنے بچہ بھونگڑا ہے۔ دو چار دنوں میں آپ اسے چٹکیوں میں مسل کر رکھ دیں گے۔''

''انشا اللہ!'' وہ نحیف سی آواز میں بولا پھر مجھ سے مستفسر ہوا ''کچھ اپنے بارے میں بھی تو بتائیں ملک صاحب! آج اس طرف کیسے زحمت فرمائی؟ آپ یونیفارم میں نظر آ رہے ہیں۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے' کارِ سرکار پر نکلے ہوئے ہیں!''

''آپ کا اندازہ بالکل درست ہے ارشاد صاحب!'' میں نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''میں ایک شخص کے بارے میں آپ سے ضروری معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔ وہ شخص آپ کا دوست ہے!''

''آپ کس کی بات کر رہے ہیں ملک صاحب؟'' وہ چوکنا نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا'' امتیاز شیخ ...... موضع قلعہ چھمن سنگھ والا!''

''اوہ...... کیا ہوا ہے' امتیاز شیخ کو؟''

''یہی تو پتا نہیں چل رہا!''

''کیا مطلب جناب؟''

چودھری ارشاد احمد کے اس سوال کے جواب میں' میں نے اسے مختصر الفاظ میں تازہ ترین حالات سے آگاہ کیا۔ وہ پوری توجہ سے میری بات سنتا رہا۔ اس دوران میں اس کے چہرے کے تاثرات میں بڑی نمایاں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔ جب میں اپنی بات مکمل کر چکا تو اس نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''امتیاز کہاں جا سکتا ہے ملک صاحب؟''

''یہی معلوم کرنے تو میں آپ کے پاس آیا ہوں!'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ متفکر انداز میں بولا ''یہاں سے تو وہ بالکل صحیح سلامت گیا ہے۔ میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

میں نے اس کی صحت کو مدِنظر رکھتے ہوئے بڑی آہستگی' بڑی نرمی سے اسے کریدنا شروع کیا ''چودھری صاحب! امتیاز کل کتنے بجے آپ کے پاس پہنچا تھا؟''

''میرا خیال ہے' اس وقت صبح یعنی دن کے دس بجے تھے۔'' اس نے بتایا۔

میں نے استفسار کیا ''اور آپ کے پاس سے وہ رخصت کتنے بجے ہوا تھا؟''

''اس نے میرے پاس لگ بھگ پانچ گھنٹے گزارے تھے۔'' ارشاد احمد نے جواب دیا ''ہم نے دوپہر کا کھانا ایک ساتھ کھایا پھر ہمارے درمیان مختلف امور پر گفتگو ہونے لگی۔ وہ اس بار کافی دنوں کے بعد آیا تھا۔ ہمارے بیچ اچھی گپ شپ رہی۔ وہ تین بجے سہ پہر یہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔''

''وہ آپ کی حویلی سے تو رخصت ہو گیا لیکن اپنے گھر نہیں پہنچ سکا۔'' میں نے پرخیال انداز میں کہا ''لگتا ہے' بیچ راہ میں پڑنے والے جنگل نے اسے نگل لیا ہے۔''

چودھری تشویش بھرے انداز میں بولا ''اس کے پاس تو اچھی خاصی رقم بھی تھی۔ مجھے تو یہ کسی ڈاکو' کسی راہ زن کی کارروائی معلوم ہوتی ہے!''

میں نے ابھی تک رقم کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ اس نے تذکرہ چھیڑا تو میں نے پوچھ لیا ''ہاں' اس کی بیوی خدیجہ کوئی رقم وغیرہ کی بات تو کر رہی تھی۔ شاید وہ آپ کے پاس یہی رقم لینے آیا تھا۔'' میں سانس لینے کے لیے لحہ بھر متوقف ہوا پھر اضافہ کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

''وہ آپ سے کتنی رقم لے کر گیا تھا؟''

''پورے تین ہزار روپے!''

میں نے حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھا اور اس پر ان تاثرات کا سکہ جماتے ہوئے کہا ''اتنی بڑی رقم!''

''جی ہاں' جی ہاں۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔''

''اوہ!'' میں گہری تشویش میں ڈوب گیا پھر پوچھا ''چودھری صاحب! یہاں فرید آباد میں اور کتنے افراد کو یہ بات معلوم ہے کہ امتیاز شیخ ایک بڑی رقم لے کر جا رہا تھا؟''

اس نے ایک لحہ سوچا پھر جواب دیا ''کسی کو بھی اس بات کا پتا نہیں۔ میرا خیال ہے' رقم کی لین دین والا معاملہ صرف ہم دونوں کے درمیان تھا۔''

''اس کا مطلب ہے' یہاں سے کوئی شخص اس کے تعاقب میں نہیں گیا!'' میں نے پرسوچ انداز میں کہا۔

وہ بولا ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ملک صاحب!'' ایک لمحے کے توقف سے اضافہ کرتے ہوئے اس نے کہا ''مجھے تو یہ سیدھی سیدھی ڈاکوؤں کی واردات نظر آ رہی ہے۔ کیا آپ نے جنگل والے حصے کو چیک کیا ہے؟''

امتیاز شیخ کے لیے چودھری ارشاد احمد کی تشویش اور فکر مندی میں کوئی کھوٹ نظر نہیں آتی تھی۔ وہ اس کے لیے اتنا ہی پریشان تھا جتنا کسی مخلص اور سچے دوست کو ان حالات میں ہونا چاہیے۔ میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''میں نے ادھر آنے سے پہلے ایک پولیس پارٹی کو جنگل والے اس حصے کا گوشہ گوشہ جھانکنے کے لیے روانہ کر دیا ہے۔ واپس تھانے پہنچوں گا تو اس تلاش کے نتائج سامنے آ تمیں گے۔ ویسے میں خود بھی جس راستے سے گزر کر آیا ہوں اس کا تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیا ہے۔ امید ہے' بہت جلد امتیاز شیخ کا کوئی سراغ ہاتھ آ جائے گا۔ آپ اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟''

وہ دوستانہ انداز میں مستفسر ہوا ''آپ مجھ سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں؟''

''آپ کے لیے جو بھی ممکن ہو سکے۔'' میں نے گیند اسی کے کورٹ میں اچھال دی۔

''دیکھیں ملک صاحب!'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔ ''فی الحال فوری طور پر تو میں یہ کر سکتا ہوں کہ اپنے قابلِ اعتماد بندوں کو امتیاز کی تلاش میں فرید آباد' قلعہ چھمن سنگھ اور آس پاس کے علاقوں میں دوڑا دوں۔ وہ میرا سچا دوست ہے جناب۔ میں چاہوں گا' وہ جلد از جلد بازیاب ہو جائے۔''

''تلاش کا سلسلہ تو آپ فوری طور پر شروع کرا دیں۔'' میں نے کہا ''اس کے علاوہ آپ مجھے امتیاز کے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں بھی بتائیں گے' خاص طور پر فرید آباد میں پائے جانے والے دوست اور دشمن؟''

وہ چند لمحات تک ٹٹولتی ہوئی نظر سے مجھے دیکھتا رہا پھر ٹھہرے ہوئے مگر نحیف لہجے میں بولا ''امتیاز کو دشمن بنانے کا کوئی شوق نہیں تھا لہٰذا میں اس کے کسی ایسے دشمن کو نہیں جانتا جو اس حد تک جا سکتا ہو۔ کم از کم یہاں فرید آباد میں تو کوئی ایسا شخص وجود نہیں رکھتا۔''

''اور ادھر قلعہ چھمن سنگھ میں؟'' میں نے پوچھا۔

''وہاں بھی میں ایسے کسی شخص سے واقف نہیں ہوں۔''

''چودھری صاحب! امتیاز کا گھوڑا جس حالت میں آج صبح قلعہ چھمن سنگھ پہنچا ہے اس سے تو یہی لگتا ہے' امتیاز کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کسی شدید دشمنی کا نتیجہ ہے۔ ایسے کارنامے دوست تو انجام نہیں دیا کرتے ناں!''

''وہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' وہ تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا ''آپ نے مجھے جو حالات بتائے ہیں ان کی روشنی میں تو میرا دھیان صرف ڈاکوؤں' لٹیروں ہی کی طرف جاتا ہے۔ آپ اس بارے میں کیوں نہیں سوچ رہے؟''

''میں ہر زاویے سے سوچنے کا عادی ہوں چودھری صاحب!'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''جس پہلو کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے' اگر وہ میری نظر میں نہ ہوتا تو میں پولیس پارٹی کو جنگل کی خاک چھاننے کے لیے روانہ نہ کرتا۔'' ایک لمحے کا توقف کر کے میں نے اچانک پوچھا۔

''ویسے ممتاز شیخ اینڈ کمپنی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

وہ چونک کر میری جانب دیکھتے ہوئے بولا ''ممتاز' امتیاز کا چھوٹا بھائی ہے۔''

''یہ تو مجھے بھی معلوم ہے۔'' میں نے کہا ''میں نے خدیجہ کے رویے میں اپنے دیور ممتاز کے لیے ایک خاص قسم کی نفرت اور سردمہری پائی ہے!''

وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا ''دونوں بھائیوں میں کافی عرصے سے چپقلش اور ناراضی چل رہی ہے۔ ان کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا بھی نہیں ہے۔ دراصل دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جب تک والدین زندہ تھے' کسی نہ کسی طور نباہ ہوتا رہا پھر ان میں ایسی جدائی پڑی جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی۔ میں نے یہی محسوس کیا ہے' امتیاز' ممتاز کی صورت دیکھنے کا بھی روادار نہیں جبکہ......'' وہ جملہ نامکمل چھوڑ کر سانس ہموار کرنے کے لیے رکا پھر بات پوری کرتے ہوئے بولا۔

''......جبکہ نظام پورہ والا فیاض شیخ' ممتاز شیخ سے قطعی مختلف ہے۔''

یہ میرے لیے ایک نیا انکشاف تھا۔ میں نے پوچھا ''یہ فیاض شیخ کون ہے چودھری صاحب؟''

''فیاض' امتیاز سے چھوٹا اور ممتاز سے بڑا بھائی ہے۔'' وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا ''وہ ان دونوں بھائیوں سے الگ تھلگ ادھر نظام پورہ میں رہتا ہے۔ ان دونوں ہی سے اس کے زیادہ گہرے مراسم نہیں ہیں۔ بس مل لیا تو مل لیا۔ نہیں تو نہیں۔''

''ٹھیک ہے' میں فیاض شیخ سے پوچھ گچھ کے لیے نظام پورہ بھی جاؤں گا۔'' میں نے سرسری انداز میں کہا ''فی الحال آپ مجھے ممتاز کے بارے میں بتائیں۔ کیا وہ اپنے بڑے بھائی کی اس پراسرار گمشدگی میں ملوث ہوسکتا ہے؟''

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا ''بہ ظاہر تو ایسا نظر نہیں آتا۔ میرا خیال ہے' دونوں بھائیوں کے درمیان معمولی نوعیت کے اختلافات ہیں۔ اسے دشمنی نہیں کہا جاسکتا!''

''چودھری صاحب! معمولی اختلافات ہی تو آگے چل کر دشمنی کی بنیاد بنتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ملک صاحب!'' وہ سر کو اثباتی جنبش دیتے ہوئے بولا ''ویسے میں نے ایسے آثار نہیں دیکھے جن کی بنیاد پر میں ان کے درمیان کسی دشمنی کی تصدیق کرسکوں۔''

''آپ کو ایک دلچسپ بات بتاؤں۔'' میں نے رازدارانہ انداز میں کہا ''خدیجہ کے ہزار منع کرنے کے باوجود بھی میں نے ممتاز کو امتیاز کی تلاش پر مامور کردیا ہے۔ وہ اس پولیس پارٹی میں شامل ہے جو جنگل کی جانب روانہ ہوئی ہے۔ مجھے اس شخص پر گہرا شک ہے۔ میں نے اپنے ایک ہوشیار ماتحت کو اس پر کڑی نظر رکھنے کا فریضہ سونپ دیا ہے۔ انشا اللہ! جلد ہی کوئی نتیجہ سامنے آجائے گا۔''

''میری تو یہ دعا ہے ملک صاحب!'' وہ خلوص دل سے بولا ''میرا یار امتیاز شیخ ہی نتیجہ بن کر منظر پر ابھر آئے!''

میں امتیاز کے لیے چودھری ارشاد احمد کے دلی جذبات کو سمجھ رہا تھا۔ زاویۂ گفتگو کو تھوڑا تبدیل کرتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا ''آپ نے امتیاز کے کسی دشمن کی نشان دہی تو نہیں کی' کسی دوست ہی کی طرف اشارہ کردیں۔ یہاں فرید آباد میں وہ آپ کے علاوہ اور کس کس سے ملتا تھا۔ ممکن ہے' کہیں اور سے کوئی اور اشارہ مل جائے!''

اس نے جواب دیا ''وہ میرے علاوہ سودی شاہ سے ملتا تھا۔''

''یہ سودی شاہ کون ہے۔'' میں نے پوچھا ''اور اس سے کہاں ملاقات ہوسکتی ہے؟''

''اس بندے کا اصل نام تو مسعود علی ہے لیکن سودی شاہ کے نام سے مشہور ہے۔'' اس نے بتایا ''وہ ادھر منڈی بلال گنج میں ہوتا ہے۔ وہاں منڈی میں آڑھت کا کام کرتا ہے۔''

منڈی بلال گنج وہاں سے لگ بھگ ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ میں نے ارشاد سے پوچھا ''کیا امتیاز کل بھی سودی شاہ سے ملنے گیا تھا؟''

''اس نے مجھ سے ایسا کوئی ذکر تو نہیں کیا۔'' وہ سادگی سے بولا۔ ہماری اس گفتگو کے دوران میں دلشاد احمد نے اپنا کام دکھا دیا تھا۔ چائے پانی کے نام پر کھانے پینے کے اچھے خاصے لوازمات اس بیڈروم میں پہنچا دیے گئے۔ مجھے امید تھی' کانسٹیبل الٰہی بخش کی بھی خاطر خواہ تواضع کی گئی ہوگی۔ اس کے بےحد اصرار پر میں' باتوں کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی چلاتا رہا

تھا۔

دس منٹ کی مزید بات چیت کے بعد میں نے ارشاد احمد سے اجازت چاہی ''اس تعاون کا بہت بہت شکریہ صاحب۔ آپ نے طبیعت کی خرابی کے باوجود بھی اتنا وقت دیا۔''

وہ اصرار کرنے لگا ''آپ کھانا کھا کر جائیں ملک صاحب!''

''میں کھانے سے زیادہ کھا چکا ہوں۔'' فی الحال میں منڈی بلال گنج جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے، سودی شاہ سے کوئی اہم بات معلوم ہوجائے۔''

وہ نقاہت بھرے لہجے میں بولا ''آپ کوشش کر کے دیکھ لیں۔ ویسے مجھے نہیں امید، وہ کل اس طرف گیا ہو۔ اگر اس کا ایسا کوئی پروگرام ہوتا تو مجھ سے ضرور ذکر کرتا۔''

''قانونی کارروائی تو بہرحال ضروری ہے نا!'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا ''آپ فوری طور پر اپنے قابل اعتماد بندوں کو امتیاز شیخ کی تلاش میں دوڑا دیں اور جیسے ہی کوئی خاص بات معلوم ہو، مجھ تک اس کی اطلاع ضرور پہنچائیں۔''

''کاش! میں آپ کو رخصت کرنے کے لیے حویلی کے دروازے تک جاسکتا۔'' وہ اس بیماری کے باوجود بھی حتی الامکان گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا ''آپ کو بھی اگر امتیاز کا کوئی سراغ ملے تو مجھے ضرور بتائیں۔''

''ضرور...... کیوں نہیں۔'' میں نے کہا ''آپ آرام کریں۔ جلد صحت یاب ہونے کی کوشش بھی جاری رکھیں۔ انشا اللہ! بہت جلد دوبارہ ملاقات ہوگی۔''

پھر ہم اس کی حویلی سے رخصت ہوکر منڈی بلال گنج کی جانب روانہ ہوگئے۔

☆☆☆

کانسٹیبل الٰہی بخش ایک ہوشیار اور موقع شناس قسم کا پولیس اہلکار تھا۔ واپسی کے راستے میں، ہمارے درمیان امتیاز شیخ کی پراسرار گمشدگی پر بات ہوتی رہی۔ اس کا تجزیہ بھی یہی تھا کہ امتیاز کے ساتھ گھنے جنگل ہی میں کوئی افسوس ناک واقعہ پیش آیا ہوگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہم واپسی کی راہ پر سفر کرتے ہوئے منڈی بلال گنج پہنچ گئے۔ مذکورہ منڈی فرید آباد اور جنگل کے درمیان واقع تھی۔

غلہ منڈی بلال گنج میں ہمیں سودی شاہ کی دکان تک رسائی حاصل کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ سودی شاہ ایک کامیاب آڑھتی تھا۔ ارشاد احمد بھی ایک حوالے سے اس کاروبار سے تعلق رکھتا تھا۔ لہٰذا ان دونوں میں دوستی کا رشتہ استوار تھا۔ چند روز پہلے اچھی خاصی بارش ہوئی تھی۔ دیگر علاقوں میں اس بارش کے اثرات تو جاتے رہے تھے لیکن غلہ منڈی کے اندر ابھی تک کیچڑ بھری ہوئی تھی۔ اس کی ایک وجہ وہاں مسلسل ٹرکوں کی آمدوشد بھی تھی۔ ازیں علاوہ، وہ یہ منڈی خاصے نشیبی علاقے میں واقع تھی۔ چنانچہ بارش کا پانی رک جانے اور خشک نہ ہونے کے باعث وسیع اور عریض صحن کیچڑ سے لتھڑا ہوا تھا۔ ہم اپنی یونیفارم کو بچاتے ہوئے بالآخر مذکورہ دکان تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

مسعود علی عرف سودی شاہ بھاری تن و توش کا مالک ایک ملن سار شخص تھا۔ وہ ہمیں دیکھ کر ہائی الرٹ ہوگیا۔ پولیس یونیفارم کا اپنا ایک رعب اور دبدبہ ہوتا ہے، پھر جب میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ اور بھی متاثر ہوگیا۔

''میرا نام ملک صفدر حیات ہے۔'' میں نے کہا ''یہ سارا علاقہ میرے تھانے کی حدود میں آتا ہے۔ میں ایک کیس کی تفتیش کے سلسلے میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔''

وہ ہمیں اپنے ساتھ دکان کے دفتری حصے میں لے گیا یہاں پر مکمل پرائیویسی حاصل تھی۔ اس کی دکان ایک بڑے سے، اونچی چھت والے ہال پر مشتمل تھی جس کا عقبی حصہ غلے کے اسٹور روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا جب کہ سامنے والے حصے میں یہ دفتر اور دوسرے ضروری امور کے لیے ایک برآمدہ نما جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ دکان کے باہر منڈی کے صحن میں اس وقت بھی دو ٹرک کھڑے تھے جن پر لوڈنگ، سلسلہ جاری تھا۔ لگ بھگ نصف درجن پانڈی (پلے دار مزدور) اناج سے بھری ہوئی بوریاں اپنی پیٹھ پر لاد کر اسٹور روم سے ٹرک تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ سودی شاہ سے ہماری ملاقات انہی ٹرک کے قریب ہوئی تھی۔

''اب بتائیں ملک صاحب!'' سودی شاہ نے میری جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا ''آپ کس قسم کی تفتیش کے سلسلے میں مجھ سے ملنے آئے ہیں؟''

میں نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں اسے اپنی آمد کی غرض و غایت سے آگاہ کردیا۔ میری بات سن کر وہ گہری فکر میں ڈوب گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، میں نے ایک چال چل دی۔

''شاہ صاحب! میں ابھی ابھی ارشاد احمد سے مل کر آرہا ہوں۔'' میں نے ٹھوس لہجے میں کہا ''امتیاز کل اسی کے پاس آیا ہوا تھا۔ اس کی حویلی سے رخصت ہوتے وقت اس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ آپ سے بھی ملتا ہوا جائے گا!''

یہ غلط بیانی میں نے مصلحت کی بنا پر کی تھی حالانکہ اس نے ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔

میرا تیر نشانے پر لگا۔ بعض اوقات اندھیرے میں چھوڑا ہوا تیر بھی بڑا کاری ثابت ہوتا ہے۔ سودی شاہ کی تشویش مزید گہری ہوگئی۔ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

''ہاں' مجھے یہ تو پتا چلا ہے کہ وہ یہاں کل آیا تھا لیکن اتفاق ہے کہ میں اس وقت دکان پر موجود نہیں تھا اس لیے میری اس سے ملاقات نہیں ہوسکی۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر دفتر سے باہر نگاہ دوڑاتے ہوئے بولا۔

''ٹھہریں جناب! میں منشی افضل کو بلاتا ہوں۔''

اس دفتر کی ایک دیوار میں خاصا بڑا شیشہ نصب تھا جس کے طفیل باہر کا منظر دیکھا جاسکتا تھا۔ لوڈنگ کی کارروائی اس شیشے میں سے صاف نظر آرہی تھی۔ سودی شاہ اپنی کرسی سے اٹھا اور دفتر کا دروازہ کھول کر اس نے آواز لگائی ''بوٹے...... اوئے بوٹے۔ ادھر آ جلدی سے۔''

سودی شاہ نے ابھی منشی افضل کو بلانے کی بات کی تھی لیکن وہ آواز کسی بوٹا نامی شخص کو دے رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میرا دماغ کسی الجھن کا شکار ہوتا' اس نے خود ہی وضاحت کردی ''منشی افضل سامنے کہیں نظر نہیں آرہا۔ شاید وہ ٹرکوں کی دوسری جانب کھڑا ہے۔''

اس کی بات ختم ہوئی ہی تھی کہ بوٹا حاضر ہوگیا۔ وہ ایک دبلا پتلا سا لڑکا تھا۔ سودی شاہ نے اس سے کہا ''اوئے کاکا! جا دوڑ کے منشی صاحب کو بلا لا۔''

پھر وہ میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا ''امتیاز کے آنے کے بارے میں مجھے منشی افضل نے بتایا تھا۔ میں آپ کے سامنے اس سے بات کرلیتا ہوں۔''

افضل جب دفتر میں آیا تو سودی شاہ نے اس سے کہا ''منشی جی! یہ اس علاقے کے تھانے دار ہیں اور آپ سے امتیاز شیخ کے بارے میں چند سوالات کرنا چاہتے ہیں لیکن پہلے آپ ان کے لیے چائے پانی کا بندوبست کردیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں شاہ صاحب!'' میں نے ایک ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا ''ہم ابھی .... حویلی سے سب کچھ کھا پی کر آئے ہیں۔ آپ خواہ مخواہ تکلف نہ کریں۔''

''اس میں تکلف والی کون سی بات ہے جناب!'' وہ جلدی سے بولا ''ارشاد کا معاملہ اس کے ساتھ ہے اور میرا معاملہ میرے ساتھ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے' آپ میرے پاس تشریف لائیں اور بغیر کچھ کھائے پیے رخصت ہوجائیں۔''

میں نے اس کے پرخلوص اصرار کو دیکھتے ہوئے زیادہ مزاحمت نہ کی اور ''دودھ پتی دیگ'' پر رضامندی ظاہر کردی۔ منشی افضل گیا اور کسی سے' مذکورہ خورد ونوش لانے کا کہہ کر واپس آگیا۔ سودی شاہ کے اشارے پر وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور الجھن زدہ نظر سے میری جانب دیکھنے لگا۔

منشی افضل کی عمر چالیس کے قریب رہی ہوگی۔ وہ مضبوط ہاتھ پاؤں کا مالک ایک دراز قامت شخص تھا۔ اس کے جثے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا' وہ طویل عرصے تک کسرت وغیرہ بھی کرتا رہا ہے۔ اس نے سر پر ترچھی ٹوپی لگا رکھی تھی۔

سودی شاہ نے منشی افضل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ''منشی جی! آپ نے بتایا تھا نا' کل امتیاز شیخ ہماری دکان پر آیا تھا۔ مجھ سے تو اس کی ملاقات نہیں ہوسکی مگر وہ آپ سے مل کر گیا تھا۔ تھانے دار صاحب آپ سے جو کچھ بھی پوچھیں آپ انہیں ٹھیک ٹھیک بتادیں۔''

سودی شاہ نے ابھی تک منشی کو' امتیاز شیخ کو پیش آنے والے واقعے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ منشی کی آنکھوں میں تیرنے والی تشویش میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس کی زبان پر آگئی۔

''تھانے دار صاحب! امتیاز شیخ خیریت سے تو ہے نا؟'' اس نے سہمے ہوئے لہجے میں مجھ سے پوچھا۔

میں نے مبہم انداز میں کہا ''فی الحال اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔''

''آپ مجھ سے اس کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے استفسار کیا ''امتیاز شیخ کل کتنے بجے یہاں آیا تھا؟''

''لگ بھگ ساڑھے تین بجے۔'' ایک لمحہ سوچنے کے بعد اس نے جواب دیا۔

ارشاد احمد کے مطابق' امتیاز شیخ لگ بھگ تین بجے اس کی حویلی سے نکلا تھا۔ ارشاد مجھے بتا چکا تھا' امتیاز نے اس سے منڈی کی طرف آنے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس کا مطلب تھا' امتیاز نے حویلی سے رخصت ہونے کے بعد سودی شاہ سے ملنے کے بارے میں سوچا تھا۔

میں نے منشی افضل سے پوچھا ''وہ کتنی دیر تک یہاں رکا تھا؟''

''پندرہ بیس منٹ صرف۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟''

''وہ اکیلا ہی آیا تھا لیکن......'' وہ کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہوگیا۔

میں نے جلدی سے پوچھا ''لیکن کیا منشی جی؟''

اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا ''جب امتیاز یہاں پہنچا' طوطی پہلوان پہلے سے دکان پر موجود تھا۔ امتیاز نے مجھ سے شاہ صاحب کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے بتایا کہ شاہ صاحب شام تک واپس آ جائیں گے۔ اس نے کہا' ٹھیک ہے' میں واپس جاؤں گا۔ شاہ صاحب آئیں تو انہیں میرا سلام کہہ دینا۔ میں امتیاز سے رخصتی مصافحہ کرکے اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ اس وقت ایک ٹرک سے مال اتر رہا تھا اور ٹرک کے نزدیک موجود رہنا میرے لیے بہت ضروری تھا۔ میں یہی سمجھا' امتیاز شیخ واپس چلا گیا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد دکان کے برآمدے کی جانب میری نگاہ گئی تو وہ طوطی پہلوان کے ساتھ بیٹھا باتیں کررہا تھا پھر وہ طوطی پہلوان کے ساتھ ہی یہاں سے رخصت ہوا تھا۔''

''یہ طوطی پہلوان کون ہے؟'' میں نے سودی شاہ سے سوال کیا۔

اس سے پہلے کہ وہ میرے سوال کا جواب دیتا' لوازماتِ خاطر دار دودھ پتی اور کیک وہاں پہنچ گئے۔ منشی افضل نے کیک والی پلیٹ کو میز کے وسط میں رکھا پھر تین کپوں میں دودھ پتی نکال کر' ایک ایک کپ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ چینک کے ساتھ چار کپ آئے تھے' چوتھا کپ ٹرے میں خالی پڑا رہ گیا۔

''منشی جی! آپ چائے نہیں پیو گے؟'' سودی شاہ نے اس سے پوچھا۔

''شاہ جی! ادھر کام کو بھی دیکھنا ہے نا۔'' منشی افضل شیشے سے باہر ٹرک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا ''ویسے میں نے تھوڑی دیر پہلے بھی چائے پی ہے۔''

اس کا انداز اٹھنے والا تھا۔ سودی شاہ نے مجھ سے استفسار کیا ''ملک صاحب! اگر آپ نے منشی جی سے اور کچھ نہیں پوچھنا تو انہیں جانے کی اجازت دیتے ہیں!''

میں نے منشی کی طرف دیکھا اور سرسری انداز میں کہا ''آپ اس کے علاوہ بھی کچھ جانتے ہوں تو خود ہی بتا دیں؟''

''نہیں جناب! میں اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔'' وہ سادہ سے لہجے میں بولا۔

میں نے منشی افضل کو جانے کی اجازت دے دی اور سودی شاہ سے کہا ''شاہ صاحب! ابھی تک آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟''

''کون سا سوال؟'' وہ چونک کر پوچھ بیٹھا۔

''میں نے آپ سے طوطی پہلوان کے بارے میں پوچھا تھا!''

''اوہ' طوطی پہلوان...... یہ کوئی اچھا آدمی نہیں ہے جناب!''

امتیاز آخری مرتبہ طوطی پہلوان کے ساتھ دیکھا گیا تھا۔ میں نے کہا ''مجھے اس خراب آدمی کے بارے میں بتائیں۔''

مسعود علی عرف سودی شاہ کے مطابق' طوطی پہلوان کا اصل نام بشارت تھا لیکن اپنی ناک کے طفیل وہ طوطی پہلوان مشہور ہوگیا تھا۔ اس کی ناک کسی طوطے کی ناک سے گہری مشابہت رکھتی تھی۔ بشارت المعروف بہ طوطی پہلوان کسی زمانے میں اکھاڑے جایا کرتا تھا لیکن اس کا اصل شعبہ بدمعاشی اور غنڈا گردی تھا۔ اکھاڑے میں کسرت کے دوران میں اس کا ایک کان ''ٹوٹ'' گیا تھا۔ اس شناخت کی بنا پر اس کے مخالفین اسے کن ٹٹا بدمعاش بھی کہتے تھے۔

سودی شاہ کی بات ختم ہوئی تو میں نے حیرت بھرے لہجے میں کہا ''آپ کی دکان پر کیسے کیسے خطرناک لوگ آ کر بیٹھتے ہیں شاہ جی؟''

''ملک صاحب! میں منڈی میں بیٹھا ہوں۔'' وہ معنی خیز انداز میں بولا ''موت اور گاہک کا کچھ بھروسا نہیں' وہ کب اور کس روپ میں آ جائے۔ یہاں ہر بھی بھانت بھانت کے لوگ آتے ہیں۔'' وہ ایک لمحے کو سانس لینے کے لیے رکا پھر سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بولا۔

''ویسے میں ذاتی طور پر طوطی پہلوان کو سخت ناپسند کرتا ہوں اور وہ میری موجودی میں ادھر کا رخ بھی نہیں کرتا۔'' پھر قدرے آواز دبا کر بولا ''طوطی پہلوان جیسے غنڈوں بدمعاشوں سے کھلم کھلا مخالفت بھی تو مول نہیں لی جاسکتی نا۔ اس لیے میں نے کبھی اسے یہاں آنے اور اپنی دکان میں بیٹھنے سے منع نہیں کیا۔''

''یہ طوطی پہلوان اگر کبھی میرے ہتھے چڑھ گیا تو میں اس کی ساری پہلوانی اور بدمعاشی ٹوٹے ہوئے کان کے راستے باہر نکال دوں گا۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا ''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ امتیاز کا ایک بدمعاش سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ وہ طوطی سے کھل مل کر باتیں کیوں کررہا تھا اور پھر اس کے ساتھ کدھر گیا تھا۔ اب تک کی تفتیش نے تو مجھے اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ امتیاز شیخ ایک

معقول اور شریف انسان تھا!''

''امتیاز کے بارے میں آپ کا تجزیہ بالکل درست ہے ملک صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں بولا ''میں خود بھی امتیاز کے بارے میں بہت زیادہ فکر مند ہو رہا ہوں۔ طوطی پہلوان کی شہرت بہرحال ٹھیک نہیں ہے اور...... خاص طور پر اس صورت میں امتیاز کا اس کے ساتھ کہیں جانا کہ ایک بڑی رقم بھی اس کے پاس تھی!''

سودی شاہ کی تشویش بجا تھی۔ یہ جاننے کے بعد امتیاز شیخ، طوطی پہلوان کے ساتھ کہیں گیا تھا' میری پریشانی میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔ میرے ذہن میں فوری طور پر یہی خیال لپکا کہ ہو نہ ہو' امتیاز شیخ کی پراسرار گمشدگی میں طوطی بدمعاش کا کوئی ہاتھ ہوسکتا ہے۔

''میں ابھی اور اسی وقت طوطی سے ملنا چاہتا ہوں شاہ صاحب!'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

وہ بولا ''ٹھیک ہے' میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد ہم غلہ منڈی کی حدود سے نکل کر طوطی پہلوان کے ڈیرے کی طرف جارہے تھے۔ راستے میں سودی شاہ نے مجھے بتایا کہ طوطی پہلوان کے ڈیرے پر جوا وغیرہ بھی ہوتا تھا' شراب اور مجرا بھی وہاں کے معمولات میں شامل ہیں۔ علاقے کے لوگ اس سے ڈرتے ہیں اس لیے کوئی اس کے خلاف شکایت لے کر تھانے نہیں جاتا۔

میں نے کہا ''چلو' کوئی بات نہیں۔ اب تو میں خود یعنی پورا تھانہ چل کر اس کے ڈیرے پر جارہا ہوں۔ دیکھتا ہوں' وہ ب بستہ بدمعاش ہے یا پ پینسل پہلوان؟''

سودی شاہ نے کہا ''میرا ذہن ابھی تک اسی بات پر گھوم رہا ہے کہ امتیاز شیخ طوطی کے ساتھ کیوں گیا تھا۔ اگر کل ہی مجھے یہ بات پتا چل جاتی تو اب تک میں اس سلسلے میں اچھی خاصی تفتیش کرچکا ہوتا۔''

''دیر آید' درست آید!'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا ''کل نہ سہی' آج تو تفتیش آغاز ہو ہی گئی نا!''

''اللہ کرے' وہ بدبخت ہمیں ڈیرے پر مل جائے۔'' سودی شاہ نے کہا۔

میں نے خیال میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا ''ایسے ڈیروں پر جوا' شراب اور مجرا وغیرہ کی محفلیں عموماً رات کو سجائی جاتی ہیں۔ رنگے ہاتھوں طوطی شاہ کو پکڑنے تو میں پھر بھی رات ہی میں آؤں گا۔ فی الحال تو امتیاز شیخ کا سراغ لگانا ہے۔ ویسے آپ نے ایک بات بالکل صحیح کہی ہے۔'' میں نے تھوڑا توقف کیا پھر مزید کہا ''اگر یہ طوطی پہلوان آج میرے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو پھر اس کی بدبختی میں کوئی کلام باقی نہیں رہے گا۔''

طوطی کا ڈیرا منڈی سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا' جلدی ہم اس ڈیرے پر پہنچ گئے۔ ہم اس وقت سرکاری وردی میں تھے لہٰذا جس بھی گلی سے گزرتے' لوگ حیرت' دلچسپی اور تشویش کے ملے جلے تاثرات سے ہمیں دیکھتے۔ طوطی کا ڈیرا آبادی سے ہٹ کر ایک طرف واقع تھا۔ ہمارے گھوڑے اس ڈیرے سے ابھی سو گز دور ہی تھے کہ میں نے ایک شخص کو بھاگ کر ڈیرے کے داخلی دروازے میں غائب ہوتے دیکھا۔ اس منظر نے مجھے چونکا دیا۔ تاہم میں نے اس سلسلے میں سودی شاہ کو کچھ نہ بتایا۔ میں ابھی تک خود کچھ نہیں سمجھ پایا تھا' اسے کیا بتاتا۔

ہم ڈیرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر گھوڑوں سے نیچے اترے پھر کانسٹیبل الٰہی بخش نے میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ تین دستک رائیگاں گئیں' چوتھی دستک پر دروازہ بڑے محتاط انداز میں کھل گیا۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا دقت محسوس نہ ہوئی کہ دروازہ کھولنے والا پہلی ہی دستک پر وہاں پہنچ گیا تھا اور دروازے کے پیچھے کھڑا ہو کر پتا نہیں' کس بات کا انتظار کررہا تھا۔ بہرحال' کھلے ہوئے دروازے میں مجھے جو صورت دکھائی دی اس نے مجھے مزید چونکا دیا۔

یہ وہی شخص تھا جسے چند لمحے پہلے میں نے اس ڈیرے میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اس وقت میں اس کا چہرہ تو واضح طور پر دیکھ نہیں سکا تھا۔ تاہم مخصوص رنگ کے لباس کے باعث میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ اس شخص نے گہرے نیلے رنگ کا شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔

''جی...... آپ کو کس سے ملنا......''

اس شخص نے ہراساں انداز میں بولنا شروع کیا ہی تھا کہ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے خالص تھانے دارانہ لہجے میں کہا۔ ''میں تمہارے اسی باپ سے ملنے آیا ہوں جسے تم ہماری آمد کی اطلاع دینے کے لیے ابھی ابھی ڈیرے میں داخل ہوئے ہو؟''

''مم...... میں سمجھا نہیں......!''

''طوطی کو باہر بھیجو!'' میں نے قطع کلامی کرتے ہوئے پھنکار سے مشابہ آواز میں کہا۔

''طوطی جی تو...... ڈیرے پر نہیں ہیں......''

''منظورے! باہر کون ہے؟'' ڈیرے کے اندر سے کسی نے کرخت آواز میں پوچھا۔

''بھاجی! پولیس آئی ہے۔'' منظورے نامی اس شخص نے کرخت آواز والے کو بتایا ''یہ لوگ طوطی جی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔''

میں نے سوالیہ نظر سے سودی شاہ کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر اس نے خاصی زود فہمی کا مظاہرہ کیا اور پوری قطعیت سے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں نے نگاہ کے اشارے میں اس سے پوچھا تھا' کیا کرخت آواز میں' ڈیرے کے اندرونی حصے میں بولنے والا طوطی پہلوان ہی ہے؟ اس کی گردن کی منفی جنبش نے مجھے بتایا کہ وہ طوطی پہلوان نہیں تھا۔

اسی اثنا میں وہ کرخت آواز دوبارہ ابھری ''اچھا منظورے! میں آکر دیکھتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے بھا شوکت!'' منظورے نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اندر کوئی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ میں بڑی سرعت سے آگے بڑھا اور ایک زوردار دھکا مار کر ڈیرے کے دروازے کو کھول دیا۔ منظورا جو دروازے کے دونوں پٹ تھامے کھڑا تھا' اس دھکے کی تاب نہ لاسکا اور پشت کے بل ڈیرے کے اندرونی حصے میں گرا۔ میں بھڑا مار کر اندر داخل ہوگیا۔ اگلے ہی لمحے الٰہی بخش اور سودی شاہ بھی میری تقلید میں ڈیرے کے اندر پہنچ گئے۔ الٰہی بخش تو تھا ہی پولیس والا لیکن ہماری معیت نے سودی شاہ کو بھی خاصا بہادر بنا دیا تھا۔ اگر میں اس موقع پر وہاں موجود نہ ہوتا تو سودی شاہ' طوطی پہلوان کے ڈیرے پر ایسی جرات کا مظاہرہ کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

میرا اسا مناسب سے پہلے اسی شخص سے ہوا' منظورے نے جسے بھا شوکت کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ غیر ارادی طور پر میری نگاہ سب سے پہلے اس کے کانوں پر گئی۔ اس شخص کے دونوں سلامت کان سودی شاہ کے اندازے کی تصدیق کرتے تھے۔ وہ شخص کن ٹٹا بدمعاش طوطی پہلوان نہیں تھا۔ آواز کی طرح اس کی صورت بھی خاصی کرخت تھی بلکہ اس چہرے کو ڈراؤنا کہنا زیادہ مناسب تھا۔ بگڑے ہوئے خال و خط کے علاوہ اس کی رنگت بھی توے کو شرماتی تھی۔ وہ بھا (بھائی) کے بجائے کوئی بھاؤ (بھوت) نظر آتا تھا۔

ہم جس انداز میں ڈیرے کے اندر داخل ہوئے اس نے بھا شوکت کو بری طرح بوکھلا دیا۔ وہ ''کک...... کیا...... کیا بات......؟'' ہی کرتا رہ گیا اور میں اس کے سر پر پہنچ گیا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انتہائی سفاکی سے استفسار کیا۔

''تمہارا وہ باپ کن ٹٹا اور دم کٹا طوطی کہاں ہے؟''

میرے جارحانہ تیوروں نے اسے دہلا دیا' لکنت زدہ لہجے میں بولا ''وہ...... نہیں...... ہیں......''

''کہاں گیا ہے وہ؟'' میں نے استفسار کا سلسلہ جاری رکھا۔

''طوطی جی ذرا وزیر نگر گئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''یہ ذرا تو تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے باقی کا طوطی یہاں پر ہی رکھا ہو!'' میں نے طنزیہ لہجے میں کہا ''وہ وزیر نگر کب گیا ہے اور اس کی واپسی کا کیا پروگرام ہے؟''

شوکت نامی اس ڈراؤنی صورت والے شخص نے سہمے ہوئے انداز میں میرے سوال کا جواب دیا ''طوطی جی آج صبح وزیر نگر گئے ہیں اور ان کی واپسی کل ہی ہوگی۔''

''اس کی عدم موجودگی میں تم ڈیرے کا نظام سنبھالتے ہو؟''

''جج...... جی ہاں!'' وہ ہکلاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

میں نے دریافت کیا ''اس ڈیرے پر ایسا کون سا کاروبار کھلا ہوا ہے جس کا انتظام تمہیں سنبھالنا پڑتا ہے؟''

''کک' کچھ نہیں...... جناب!'' اس نے مجھے چکر دینے کی کوشش کی۔

میں نے جارحانہ انداز میں کہا ''دروغ گوئی کا مظاہرہ کرکے تم خود کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچوانے کی کوشش کررہے ہو شوکت!''

وہ گھبرا گیا' اضطراری لہجے میں بولا ''آپ یقین کریں تھانے دار صاحب! یہاں پر کوئی بھی غیر قانونی کام نہیں......''

''بکواس بند کرو لنگور کی اولاد!'' میں نے اس کے گال پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کردیا۔

وہ سناٹے میں آگیا اور سراسیمہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میں نے کڑک کر کہا ''نامعقول انسان! مجھے پکی اطلاع ملی ہے کہ طوطی پہلوان کے اس ڈیرے پر جوا ہوتا ہے۔ شراب اور شباب کی محفلیں بھی سجائی جاتی ہیں۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

جواب دینے کے بجائے بھاؤ شوکت نے دزدیدہ نظر سے سودی شاہ کی طرف دیکھا جیسے اس ڈیرے کے بارے میں تمام تر اطلاعات مجھے اسی نے فراہم کی ہوں۔ جب وہ خاموش رہا تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"سودی کی طرف کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ بھی اس وقت زیرِ تفتیش ہے۔ تمہارے بعد اس کا نام اور نمبر آئے گا۔ اگر تم اسے پولیس کا مخبر سمجھ رہے ہو تو یہ تمہاری سنگین غلط فہمی ہوگی!"

اس نے باری باری ہم سب کی طرف دیکھا اور متذبذب انداز میں تھوک نگل کر رہ گیا۔ میں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا "تم زبان کھولنے پر تیار ہو یا میں تمہیں گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ پولیس سے تعاون کی صورت میں تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ بولو کیا کہتے ہو؟"

بات ختم کرتے ہی میں نے کانسٹیبل الٰہی بخش کی طرف دیکھا اور تحکمانہ لہجے میں کہا "تم فوراً اس ڈیرے کی تلاشی لو۔ میں شوکت سے نمٹ کر ادھر ہی آ رہا ہوں۔"

میں اس ڈیرے پر طوطی پہلوان سے ملنے گیا تھا تاکہ گمشدہ امتیاز شیخ کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں اور ابھی تک میں نے شوکت سے اس سلسلے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ یہاں جو بھی کارروائی ہو رہی تھی وہ ایک سنسنی خیز ٹریلر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ ٹھیک ہے، وہ ڈیرا میرے تھانے کی حدود میں آتا تھا اور وہاں پر چند غیر اخلاقی جرائم کا سلسلہ بھی جاری تھا لیکن میں ان معاملات کو بعد میں دیکھنا چاہتا تھا۔ میری اس دھواں دھار کارروائی نے شوکت اور منظورے کے اوسان خطا کر دیے۔ اس وقت ان دونوں کے سوا ڈیرے پر اور کوئی بھی نہیں تھا لہٰذا کسی گھرے ہوئے شکار کے مانند انہیں ہتھیار ڈالنا ہی پڑے۔

"جناب! اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔" شوکت گھگھیانے لگا۔ "میں تو حکم کا غلام ہوں جی۔ طوطی جی کا حکم ٹال کر زندہ کیسے رہیں!"

"اوئے، ل...... لنگور کے تخم!" میں نے گرج کر کہا "تمہیں اس کن مٹے، دم کٹے بدمعاش کے حکم کا بڑا خیال ہے...... اور اس مالک کے حکم کے خلاف چل رہے ہو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ تم حکم کے غلام ہو تو میں چھتر مار مار کر تمہیں اینٹ کی دگی بھی بنا سکتا ہوں۔ کیا سمجھے؟"

وہ "نہ پائے رفتن، نہ جائے ماندن" ایسی صورت حال کا شکار تھا۔ لہٰذا مجھ سے تعاون کرتے ہی بنی۔ میں نے اس کی راہنمائی میں طوطی پہلوان کے ڈیرے کا "جائزہ" لے ڈالا اور جو بھی قابلِ گرفت شے نظر آئی اسے بحق سرکار اپنے قبضے میں لے لیا۔ شوکت ابھی تک یہی سمجھ رہا تھا کہ میں نے ان کے جوئے اور شراب کے اڈے پر چھاپا مارا ہے۔ میں نے اسے اسی غلط فہمی میں مبتلا رہنے دیا اور اپنے ضروری مسائل پر اس سے گفتگو کرنے لگا۔

"میں عارضی طور پر تمہیں اور منظورے کو اپنے ساتھ تھانے لے کر جاؤں گا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا "تاکہ تم دونوں طوطی پہلوان کے خلاف گواہی دینے کے لیے محفوظ رہو۔ تمہارے بیانات کے بعد میں طوطی کو گرفتار کر کے تمہیں آزاد کر دوں گا۔ میری بات سمجھ رہے ہونا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا "آپ ہمیں سلطانی گواہ بنالیں گے؟"

"فی الحال میرا یہی ارادہ ہے۔" میں نے سرسری لہجے میں کہا "تم دونوں بھی طوطی پہلوان کے جرائم میں شریک رہے ہو۔ اس لیے تم لوگوں کی تربیت کے لیے یہ وعدہ معاف گواہ والا چکر ہی چلانا ہوگا۔"

"آپ کی بڑی بڑی مہربانی مائی باپ!" شوکت نے ممنونیت سے کہا۔

میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ٹھوس انداز میں کہا "اگر تم چاہتے ہو کہ میں اسی طرح تم پر مہربان رہوں تو اب میں تم سے جو بھی سوال کروں، اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔"

"آپ پوچھیں سرکار! میں کوئی غلط بیانی نہیں کروں گا۔"

"کیا طوطی پہلوان واقعی وزیر نگر گیا ہوا ہے؟"

"جی ہاں، میں نے آپ سے جھوٹ نہیں بولا۔"

"اور وہ کل سے پہلے واپس نہیں آئے گا۔"

"وہ مجھے یہی بتا کر گیا ہے۔"

"ذرا سوچ کر بتاؤ۔" میں نے بہ دستور اسے گہری نظر سے گھورتے ہوئے جرح کا سلسلہ جاری رکھا "کل شام چار بجے سے لے کر رات گئے تک تم کہاں تھے؟"

"میں ادھر ڈیرے پر ہی موجود تھا جناب!" وہ الجھن زدہ لہجے میں بولا۔

میں نے کہا "طوطی پہلوان سہ پہر کے وقت ڈیرے سے غائب تھا، پھر وہ چار بجے کے بعد واپس آیا تھا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں جناب! آپ بالکل صحیح بتا رہے ہیں۔" شوکت نے تائیدی انداز میں کہا "وہ کم و بیش ساڑھے چار بجے واپس لوٹا تھا۔"

"کیا وہ اس وقت اکیلا ہی تھا؟" میں نے سوال کیا۔

"نن...... نہیں......" وہ جلدی سے بولا پھر خاموش ہوگیا۔

"کیا بات ہے، تم چپ کیوں ہوگئے؟" میں نے دہاڑ سے مشابہ آواز میں کہا "اگر وہ اکیلا نہیں تھا تو......؟"

میں نے سوالیہ انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جز بز ہوتے ہوئے بولا ''اس کے ساتھ ایک اور بندہ بھی تھا۔''

میں نے اپنی تسلی کی خاطر پوچھا ''کیا تم اس بندے کو جانتے ہو؟''

''نہیں جناب! میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔'' اس نے بتایا۔

سودی شاہ اور ارشاد کی زبانی مجھے امتیاز شیخ کے حلیے کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ میں نے مناسب الفاظ کی مدد سے شوکت کے سامنے امتیاز کے خال و خط اجاگر کرنے کی کوشش کی تو وہ فوراً تصدیقی انداز میں بولا۔

''جی ہاں...... جی ہاں...... آپ اسی بندے کے بارے میں بتا رہے ہیں۔''

میں نے اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے کہا ''شوکت علی! میں جس بندے کا ذکر کر رہا ہوں' وہ موضع قلعہ پچھمن سنگھ کا رہنے والا ہے۔ اس کا نام امتیاز شیخ ہے۔ مبینہ طور پر وہ آخری مرتبہ اس ڈیرے پر دیکھا گیا ہے۔ اسے کل رات واپس گھر پہنچنا تھا' لیکن نہیں پہنچا۔ میں امتیاز شیخ کی تلاش ہی کے سلسلے میں منڈی بلال گنج اور فرید آباد کی خاک چھانتا پھر رہا ہوں۔''

میں لمحے بھر کو سانس لینے کی خاطر خاموش ہوا پھر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا ''اب تم مجھے بتاؤ گے کہ اس بندے کے ساتھ اس ڈیرے پر کیا بیتی تھی؟''

یہ سنگین حالات سن کر شوکت کے چہرے پر زردی کھنڈ گئی' مسکین سی صورت بنا کر اس نے کہا ''تھانے دار صاحب! آپ مجھ سے بڑی سے بڑی قسم لے لیں لیکن میری بات کا یقین کر لیں۔ میں اس بندے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ لگ بھگ پانچ بجے ڈیرے سے چلا گیا تھا۔''

میں نے ٹٹولتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا اور خود کلامی کے سے انداز میں کہا ''وہ ساڑھے چار بجے تمہارے ڈیرے پر آیا اور پانچ بجے رخصت ہو گیا' یعنی وہ محض آدھا گھنٹا یہاں رکا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے' یہ آدھا گھنٹا اس نے کس مصروفیت میں گزارا تھا؟''

''میں اس بارے میں بھی کوئی پکی بات نہیں کر سکتا جناب!'' وہ عاجزی سے بولا ''وہ دونوں ڈیرے پر پہنچتے ہی ایک کمرے میں بند ہو گئے تھے۔ طوطی نے مجھے تاکید کی تھی' کسی کو اس طرف نہ آنے دوں۔ اس بندے کو طوطی نے اپنا دوست بتایا تھا۔ میں نے اس کی ہدایت کے مطابق پورے آدھے گھنٹے تک کسی بھی شخص کو اس کمرے کی طرف نہ پھٹکنے دیا۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

''تمہیں بالکل معلوم نہیں' وہ دونوں آدھے گھنٹے تک اس کمرے میں کیا کرتے رہے تھے؟'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''قطعی نہیں سرکار۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!''

''تمہارے بیان کے مطابق' امتیاز نامی وہ بندہ پانچ بجے شام ڈیرے سے رخصت ہو گیا تھا۔'' میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا پھر پوچھا ''کیا طوطی پہلوان اس کے بعد ڈیرے پر ہی رہا تھا؟''

''دس پندرہ منٹ بعد وہ بھی ڈیرے سے باہر چلا گیا تھا!'' اس نے بتایا۔

میں چونک اٹھا ''اس کی واپسی کب تک ہوئی تھی؟''

''لگ بھگ سات بجے!'' اس نے جواب دیا۔

''مجھے وہ کمرا دکھاؤ!'' میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

طوطی پہلوان کی کل شام کی مصروفیات نے میرے ذہن میں ہلچل سی مچا دی۔ امتیاز شیخ اس کے ساتھ ڈیرے پر پہنچا پھر اس کی واپسی پر طوطی پہلوان بھی دو گھنٹے کے لیے غائب ہو گیا۔ یہ تمام تر امور اس جانب اشارہ کرتے تھے کہ امتیاز کی پراسرار گمشدگی میں طوطی کا ہاتھ ہو سکتا تھا۔ طوطی ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ ایسے لوگوں سے کچھ بھی بعید نہیں ہوتا۔ اگر طوطی ایک مرتبہ میرے ہتھے چڑھ جاتا تو پھر اس کی زبان سے امتیاز شیخ کے بارے میں اگلوانا آسان ہو جاتا۔

میں شوکت کی راہنمائی میں چلتے ہوئے اس کمرے میں آ گیا جہاں اس کے بہ قول' امتیاز نے کل طوطی کے ساتھ آدھ گھنٹا بڑے مشکوک انداز میں گزارا تھا۔ میں پہلے بھی اس کمرے کی تلاشی لے چکا تھا لیکن اس بار چونکہ ذہن میں دوسری بات تھی لہٰذا تلاشی کا انداز بھی خاصا تفصیلی اور تنقیدی رہا۔ تاہم' پندرہ بیس منٹ کی کوشش کے باوجود بھی میں کوئی ایسا سراغ پانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جس سے امتیاز شیخ کی روپوشی پر روشنی کی ایک کرن بھی پڑ سکتی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ طوطی پہلوان کی واپسی کا انتظار کیا جاتا۔

میں چونکہ یہ انتظار وہاں منڈی بلال گنج میں بیٹھ کر نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا شوکت اور منظورے کو اپنے ساتھ لے کر واپس تھانے آ گیا۔ میں نے وہاں سے رخصت ہونے سے پہلے سودی شاہ کی مدد سے طوطی کے ڈیرے پر ایسا بندوبست کروا دیا کہ جیسے ہی طوطی واپس آتا' اسے دھر لیا جاتا۔ طوطی کو اگلے روز لوٹنا تھا۔ یہ انتظام میں نے احتیاطاً عارضی طور پر کرایا تھا۔

تھانے پہنچتے ہی میں نے ایک حوالدار کو دو کانسٹیبلز کے ساتھ آئندہ روز منڈی بلال گنج جانے کے بارے میں احکام دے دیے۔ وہ تینوں علی الصباح تھانے سے روانہ ہو جاتے اور ان کی واپسی طوطی پہلوان کی گرفتاری کی صورت ہی میں ہوتی۔ اس سلسلے میں سودی شاہ اور اس کے بندے پولیس اہلکاروں کی بھرپور مدد کرتے۔ میں نے بلال گنج منڈی سے رخصت ہوتے وقت سودی شاہ کو یہ تاکید بھی کر دی کہ وہ کوئی بندہ بھیج کر فرید آباد میں چھوٹے ارشاد احمد کو بھی تازہ ترین صورتِ حالات سے آگاہ کر دے۔

جب میں اپنے تھانے پہنچا تو سورج غروب ہونے ہی والا تھا۔

☆☆☆

اے ایس آئی مراد کی نگرانی میں جنگل کی طرف جانے والی متلاشی ٹیم ناکام و نامراد واپس لوٹ آئی۔ انہوں نے قلعہ چھمن سنگھ سے فرید آباد تک کا سارا علاقہ دیکھ ڈالا لیکن گمشدہ امتیاز شیخ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ شرقاً غرباً بہنے والی بڑی نہر کے کنارے تو وہ میلوں دور تک ہو آئے تھے۔ اے ایس آئی اپنی رپورٹ پیش کر چکا تو میں نے اس سے پوچھا۔

''چھوٹے شیخ کا کیا حال ہے؟'' میرا اشارہ ممتاز شیخ کی طرف تھا۔

''وہ ابھی آپ کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے گھر گیا ہے۔'' اے ایس آئی نے بتایا ''کہہ رہا تھا' ایک دو گھنٹے میں وہ واپس آ جائے گا۔ دراصل نظام پورہ سے شیخ فیاض آیا ہوا ہے۔ وہ اپنے بھائی سے ملنے گیا ہے۔''

مراد کی بات سن کر اندازہ ہوا کہ امتیاز شیخ کی پُراسرار گمشدگی والی خبر اب تک کافی پھیل چکی تھی۔ فیاض شیخ' امتیاز اور ممتاز کا بھائی تھا جو الگ تھلگ نظام پورہ میں رہتا تھا۔

میں نے مراد سے پوچھا ''امتیاز کی تلاش کے دوران میں تم نے ممتاز پر بھی نظر رکھی تھی یا......؟''

میں نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تو وہ جلدی سے بولا ''جناب! آپ کا حکم تھا' میں کوتاہی کیسے برتتا!''

''پھر کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں اس نگرانی کے؟'' میں نے استفسار کیا۔

''میں نے یہی محسوس کیا ہے' وہ اپنے بھائی کی گمشدگی میں کسی طور ملوث نہیں۔''

''ہوں!'' میں گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔ اے ایس آئی نے مجھ سے پوچھا۔

''ملک صاحب! آپ فرید آباد میں ارشاد احمد سے ملنے گئے تھے۔ وہاں کا کیا رہا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے عملے کے چند افراد کو اس محاذ کی طرف روانہ بھی کیا ہے' اس سے لگتا ہے کہ وہاں کے حالات خاصے سنسنی خیز ہیں؟''

''تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔'' میں نے تائیدی انداز میں کہا پھر اسے مختصر الفاظ میں صورتِ حال سے آگاہ کر دیا۔

وہ بڑی دلچسپی سے میری بات سنتا رہا۔ میں خاموش ہوا تو اس نے جوش بھرے انداز میں کہا ''ملک صاحب! یہ تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ مجھے پکا یقین ہے' طوطی پہلوان ہی نے امتیاز شیخ کو کہیں ادھر ادھر کر دیا ہے۔''

''بہ ظاہر تو یہی نظر آ رہا ہے۔'' میں نے پُرخیال انداز میں کہا ''لیکن یقینی صورتِ حال کے لیے ہمیں تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔ مجھے امید ہے' کل شام تک اس کیس کی کوئی شکل نکل کر سامنے آ جائے گی۔''

ہمارے درمیان کافی دیر تک اسی موضوع پر بات چیت ہوتی رہی پھر یہ سلسلہ ممتاز شیخ کی آمد پر منقطع ہو گیا۔ ممتاز میرے کمرے میں آیا تو اے ایس آئی بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے سوالیہ نظر سے اے ایس آئی کو دیکھا اور مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

''تھانے دار جی! میں تنہائی میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں!''

اس کے اظہار کا ایک ہی مطلب تھا......اور وہ یہ کہ ممتاز شیخ مجھ سے جو بھی کہنا چاہتا تھا وہ بات مراد کی موجودگی میں نہیں ہو سکتی تھی۔ میں یہی سمجھا' وہ امتیاز شیخ کی بازیابی کی مہم کے سلسلے میں مجھے کسی مفید مشورے سے نوازنا چاہتا ہے۔ میں نے اے ایس آئی کو کمرے سے جانے کا اشارہ کر دیا۔

جب اس کمرے میں میرے اور ممتاز شیخ کے سوا اور کوئی نہ رہا تو میں نے اس سے پوچھا ''ہاں بولو' تم مجھ سے کون سی ضروری بات کرنا چاہتے ہو؟''

ایک لمحے کے تامل کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ میرے قیاس کے مطابق' وہ امتیاز شیخ کی گمشدگی کے بارے ہی میں بات کر رہا تھا لیکن بہ اندازِ دیگر!

''تھانے دار جی! پورے دن کی جنگل خواری کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بھائی صاحب کے ساتھ اس جنگل میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔''

''پھر......تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' میں نے اسے تیز نظر سے گھورا۔

''میرا خیال ہے' ادھر قلعہ چھمن سنگھ ہی میں ان کے

ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔''

میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کرید نے والے انداز میں پوچھا ''ذرا کھل کر بات کرو ممتاز شیخ؟''

اس نے چوکنا نظر سے ادھر ادھر دیکھا اور رازدارانہ انداز میں بولا ''مجھے بھابی خدیجہ پر شک ہے جناب!''

''یہ کیا کہہ رہے ہو۔'' میں اچھل پڑا ''تمہارا مطلب ہے' خدیجہ نے خود ہی اپنے شوہر کو کہیں غائب کر دیا یا کروا دیا ہے؟''

''جی ہاں' میں کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

''میں آج صبح خدیجہ سے مل چکا ہوں اور اس کی حالت کو بھی اچھی طرح ملاحظہ کیا ہے۔'' میں نے کہا ''وہ اپنے شوہر کی گمشدگی پر بے حد پریشان ہے۔ تم بالکل غلط انداز میں سوچ رہے ہو ممتاز شیخ!''

''جناب! میں نے جو محسوس کیا وہ آپ کے سامنے بیان کر دیا۔'' وہ شاکی لہجے میں بولا ''اس پر یقین کرنا' نہ کرنا آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔''

میں نے پوچھا ''تم کس بنا پر اپنی بھابی کو موردِ الزام ٹھہرا رہے ہو؟''

''تھانے دار صاحب! آپ نہیں جانتے' خدیجہ کتنی تیز عورت ہے۔'' وہ بھابی کے لیے اپنے دل میں چھپی نفرت اور کدورت کو سامنے لاتے ہوئے بولا ''اس چالاک عورت نے بھائی صاحب کو پورے خاندان سے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ یہ کسی وقت کچھ بھی کر سکتی ہے۔ وہ دولت کی خاطر کسی بھی انتہا کو جا سکتی ہے۔''

''دولت کی خاطر!'' میں نے استعجابیہ نظر سے اپنے سامنے بیٹھے ممتاز کو دیکھا ''تم کس دولت کا ذکر کر رہے ہو؟''

میری معلومات کے مطابق' تین ہزار روپے والے معاملے سے صرف تین افراد واقف تھے' یعنی رقم دینے والا ارشاد احمد' رقم وصول کرنے والا امتیاز شیخ اور اس کی بیوی خدیجہ جسے اتنا معلوم تھا کہ اس کا شوہر تین ہزار روپے لینے فرید آباد' ارشاد احمد کے پاس گیا ہے...... اور اب یہ ممتاز شیخ بھی دولت کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ بات میرے لیے حیران کن تھی۔ خدیجہ اور ممتاز شیخ میں سخت ترین دشمنی پائی جاتی تھی۔ یہ تو سوچنا ہی حماقت ہوتا کہ بھابی نے دیور کو رقم والی بات بتائی ہو گی!

اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا ''مجھے پتا چلا ہے' بھائی صاحب کسی سے ایک تگڑی رقم لے کر آنے والے تھے۔ تین ہزار روپے کوئی معمولی رقم تو نہیں ہوتی نا!''

''تمہیں یہ بات کس نے بتائی تھی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بس جی' ادھر ادھر سے اڑتے ہوئے میں نے بھی سن لی ہے۔'' وہ بے نیازی سے بولا۔

میں نے کہا ''یہ خبر کوئی پتنگ نہیں جو تو اِدھر اُدھر اڑتی پھر رہی ہو؟''

وہ خاموش نظر سے مجھے دیکھتا چلا گیا۔ میں نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''تم خواہ مخواہ اپنی بھابی پر شک کر رہے ہو۔ میرا خیال ہے' وہ اس معاملے میں سب سے زیادہ بے قصور ہے...... بلکہ مظلوم ہے کہیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔''

وہ مایوسی سے گردن ہلاتے ہوئے بولا ''تھانے دار صاحب! میں نے تو عرض کیا ہے نا یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ میری بات کا یقین کریں یا نہ کریں۔ میں نے اپنے محسوسات آپ تک پہنچا دیے ہیں۔''

''اور میں بھی تم سے جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بے بنیاد نہیں۔'' میں نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا ''شاید تمہیں تازہ ترین حالات کی خبر نہیں ہے!''

''تازہ ترین حالات؟'' وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

جواب میں' میں نے اسے فرید آباد اور منڈی بلال گنج میں اپنی کارروائی سے آگاہ کر دیا اور آخر میں کہا ''طوطی پہلوان کے دو کارندے شوکت علی اور منظور اس وقت میرے تھانے کی حوالات میں بند ہیں۔ مجھے امید ہے' کل تک طوطی پہلوان بھی قانون کی گرفت میں آ جائے گا' پھر تمہارے بھائی کی گمشدگی کا راز بھی کھل کر سامنے آ جائے گا۔''

''آپ نے تو ادھر کے خاصے سنسنی خیز حالات بتائے ہیں۔'' وہ حیرت سے دیدے پھاڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے بولا ''بہرحال' میں پھر بھی یہی کہوں گا' خدیجہ کو آپ ضرور چیک کریں۔ اس کے گھر کی تلاشی کوئی نیا رنگ دکھا سکتی ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے' خدیجہ نے اپنے شوہر کو گھر کے اندر کہیں چھپا رکھا ہے؟'' میں نے اسے کڑی نظر سے گھورا۔

''ایسا ہو بھی سکتا ہے جناب!'' وہ عجیب سے لہجے میں بولا ''اور یہ بھی ممکن ہے' جن تین ہزار روپے کا ذکر ہو رہا ہے وہ رقم گھر کے اندر سے ہی برآمد ہو جائے!''

میں نے کھوجتی ہوئی نگاہ سے چند لمحات تک اس کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کی' پھر

ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ''ممتاز شیخ! تم ایک بے بنیاد بات کر رہے ہو' بہرحال میں تمہاری اس بات کو یکسر رد نہیں کروں گا۔ میں پہلے بھی خدیجہ کے گھر سے ایک چکر لگا کر آ چکا ہوں' کل تفصیلی تلاشی بھی لے ڈالوں گا۔''

''اب مجھے اجازت دیں تھانے دار صاحب!'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا ''گھر میں نظام پورہ سے چند مہمان آئے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی دیکھنا ہے۔''

میں نے کہا ''مجھے پتا چلا ہے' تم سے بڑا بھائی فیاض شیخ نظام پورہ سے آیا ہے!''

''جی ہاں' میں نے انہی مہمانوں کا ذکر کیا ہے۔'' وہ جلدی سے بولا۔

میں نے پوچھا ''فیاض شیخ اس معاملے کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

''وہ خدیجہ کے رویے پر سخت برہم ہے۔''

''کیوں...... خدیجہ نے اس کے ساتھ ایسا کیا کر دیا ہے؟'' میں نے استفسار کیا۔

وہ بتانے لگا ''فیاض بھائی' امتیاز بھائی کی گمشدگی کا سن کر قلعہ لچھمن سنگھ آئے تھے اور جب وہ ان کے گھر گئے تو خدیجہ نے دروازہ ہی نہیں کھولا۔ بولی' تم سب لوگ میرے دشمن ہو۔ میں کسی کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' وہ لمحے بھر کو متوقف ہوا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولا۔

''بھائی فیاض کو اس کے رویے سے سخت تکلیف پہنچی اور وہ خاموشی کے ساتھ میرے گھر آ گئے۔ اب آپ ہی بتائیں' ایسے ہوتے ہیں رشتے دار۔ ہم اپنے بڑے بھائی کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں؟''

''کیا خدیجہ نے فیاض کے ساتھ واقعی ایسا کیا ہے؟''

''آپ فیاض بھائی سے پوچھ لیں' اگر میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو!''

''ٹھیک ہے' میں اس سے بھی پوچھوں گا۔'' میں نے الجھن زدہ لہجے میں کہا ''ویسے خدیجہ ایسی نظر تو نہیں آتی!''

''یہی تو اس کا کمال ہے جناب۔'' وہ منہ بگاڑ کر بولا ''وہ اپنی رونی صورت اور چہرے کی معصومیت سے خود کو مظلوم اور بے قصور ثابت کر دیتی ہے۔ آپ اس عورت کو نہیں جانتے تھانے دار صاحب! ہمارا تو کئی سال سے واسطہ ہے نا!''

وہ اول آخر اپنی بھابی کی مخالفت میں بول رہا تھا اور یہ ناپسندیدگی و مخالفت دو طرفہ تھی۔ خدیجہ بھی اپنے دیور کے بارے میں ایسے ہی دشمنانہ خیالات رکھتی تھی۔ دونوں میں کون صحیح اور کون غلط تھا' میں فی الحال واقعی یہ بات نہیں جانتا تھا۔

میں نے کہا ''میرا تو نیا نیا واسطہ پڑا ہے ممتاز۔ تم فکر نہ کرو' میں بھی جلد ہی اسے جان لوں گا۔''

تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھ سے ہاتھ ملا کر تھانے سے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

اگلے روز' صبح ہی صبح بارش شروع ہو گئی۔

میں نے کئی مرتبہ تھانے سے نکلنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے عزائم کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اس دوران میں ایک لمحے کے لیے بھی بارش نے وقفہ نہ دیا۔ یہ خلافِ توقع بارش تھی اور بعد از دوپہر تک خوب دل کھول کر برستی رہی۔ لگ بھگ دو بجے دوپہر بارش تھمی اور میں نے خدیجہ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا ہی تھا کہ ایک اور رکاوٹ راہ میں آن کھڑی ہوئی۔

اس بے موسم کی دھواں دھار بارش نے اچھی خاصی تباہ کاری مچا دی تھی۔ گاؤں کی نزدیکی سڑک پر کوئی مسافر بردار گاڑی الٹ گئی اور مجھے فوری طور پر موقع کی کارروائی کے لیے وہاں جانا پڑ گیا۔ اس حادثے میں متعدد زخمیوں کے علاوہ دو افراد کی ہلاکت بھی عمل میں آئی تھی۔ ان دو مسافر افراد میں ایک آٹھ سال کا بچہ بھی تھا۔ دن کا باقی حصہ وہاں سڑک پر گزر گیا اور مغرب سے کچھ تھوڑا پہلے میں اس ہنگامی کارروائی سے فارغ ہوا۔

خدیجہ کا گھر اس سڑک اور تھانے کے درمیان واقع تھا لہٰذا میں واپسی میں اس سے ملنے چلا گیا۔ وہ سب سے پہلے اپنے شوہر کے بارے میں مستفسر ہوئی۔ میں نے اسے اس کے شوہر کے سلسلے میں جاری اب تک کی کارروائی کے بارے میں تفصیلاً بتایا اور آخر میں پوچھ لیا۔

''میں نے سنا ہے' کل تمہارا بڑا دیور فیاض یہاں آیا تھا اور تم نے اس کے ساتھ خاصی بدتمیزی کی ہے؟''

''یہ سب لوگ میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے لیے آتے ہیں۔'' وہ روہانسی ہو گئی ''مجھے نہیں ملنا کسی سے۔''

میں نے کہا ''جہاں تک میں نے سنا ہے' فیاض ممتاز سے خاصا مختلف ہے۔ اس کے ساتھ تم لوگوں کی کوئی ناراضی وغیرہ بھی نہیں!''

''آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں تھانے دار صاحب!'' وہ تائیدی انداز میں بولی ''یہ سچ ہے کہ مجھے فیاض بھائی سے کوئی بڑی شکایت نہیں لیکن کل ممتاز کے ساتھ انہیں دیکھ کر پتا نہیں

کیوں میرا دماغ خراب ہوگیا اور میں نے انہیں بھی الٹی سیدھی سنا دیں۔ میں یہی سمجھی تھی کہ ممتاز انہیں سکھا پڑھا کر میرے پاس لایا ہوگا۔ مجھے اس شخص کی شکل سے بھی شدید نفرت ہے اور اسی کو دیکھ کر میں نے فیاض کے ساتھ بھی بدسلوکی کر ڈالی۔ بعد میں مجھے اپنے رویے پر افسوس بھی ہوا۔''

''کیا فیاض کے ساتھ ممتاز بھی یہاں آیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے اثبات میں جواب دیا۔ یہ بات ممتاز نے مجھے نہیں بتائی تھی۔ میں نے خدیجہ سے ممتاز وغیرہ کا ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا ورنہ وہ خواہ مخواہ بھڑک اٹھتی۔ میں نے معتدل لہجے میں کہا۔

''بہرحال' تم نے فیاض کے ساتھ کچھ اچھا نہیں کیا!''

اس نے خاموشی سے گردن جھکالی۔

وہ شام ہونے سے پہلے کا وقت تھا اور فضا میں اتنی روشنی باقی تھی کہ میں گھوم پھر کر خدیجہ کے گھر کو دیکھ سکتا تھا۔ میں فوری طور پر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔ خدیجہ میرے اس رویے سے خاصی الجھی ہوئی تھی۔ اس نے مجھ سے پوچھا بھی کہ میں پُراسرار انداز میں اس کے گھر کی تلاشی کیوں لے رہا ہوں اور میں نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ضروری کارروائی ہے۔ اسے اس سلسلے میں فکرمند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ تمام کمروں کے علاوہ میں نے گھر کے صحن کا بھی بہ غور جائزہ لے ڈالا لیکن مجھے وہاں سے کوئی بھی ایسا سراغ نہ مل سکا جس سے اس بات کی طرف شک جاتا کہ امتیاز شیخ کی پُراسرار گمشدگی میں کسی بھی حوالے سے خدیجہ کا ہاتھ ہو۔

میں نے بہ وقتِ رخصت اسے تسلی دی ''تم فکر نہ کرو خدیجہ! میں بہت جلد تمہارے شوہر کا سراغ لگانے میں کامیاب ہوجاؤں گا۔ ذرا طوطی پہلوان میرے ہاتھ آجائے پھر یہ معاملہ آسانی سے حل ہوجائے گا۔''

اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور دروازے تک مجھے چھوڑنے آئی۔ خدیجہ کا اکلوتا بیٹا الطاف اس وقت اس کمرے کے سامنے کھڑا تھا جس کے اندر وہ سفید گھوڑا رہتا تھا جو اپنے مالک کے بغیر ہی زخمی حالت میں گھر پہنچا تھا۔ موسم کی خرابی اور زخمی حالت کے پیشِ نظر اسے کمرے ہی میں رکھا گیا تھا۔ مجھے اس کی خیریت بھی دریافت کرنا تھی۔ اس لیے ادھر چلا گیا۔

سب سے پہلے میں نے الطاف کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔ وہ لگ بھگ دس سال کا ایک دھان پان سا لڑکا تھا۔ اس عمر میں شعور قدرے پختہ ہوچکا ہوتا ہے اور انسان اپنے حالات کو اچھی طرح سمجھنے لگتا ہے' یہ الگ بات کہ وہ زندگی کے بعض اہم اور حساس معاملات میں اپنے دلی جذبات کو ظاہر نہیں کرسکتا۔

الطاف اپنے والد کی پُراسرار گمشدگی کا بہ خوبی اندازہ لگا چکا تھا اس لیے اس کے چہرے پر مجھے غم واندوہ کے گہرے بادل دکھائی دیے۔ میں نے اسے پیار کیا اور تھوڑی دیر تک تسلی تشفی کی باتیں کرتا رہا۔ وہ خاموش کھڑا میری سنتا رہا پھر جھکے سے اپنی ماں کے پاس چلا گیا۔ اس کی خاموشی اور اداسی برمحل تھی۔

میں جس دوران میں الطاف کو پچکار رہا تھا' میں نے کمرے کے اندر گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز دو مرتبہ سُ تھی۔ گھوڑے کی زبان تو کوئی گھوڑا ہی سمجھ سکتا ہے لیکن ا لمحات میں مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چا ہو۔ میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ تقاضا کررہا الطاف کی طرح میں اسے بھی پیار کروں۔ یہ میرا ایک ذ احساس تھا جسے میں کوئی نام دینے سے قاصر ہوں۔

میں کمرے کے اندر پہنچا تو وہ خاصا خوشی سے ہنہنایا۔ انسان کا ذہن جس سمت میں سوچ رہا ہوتا ہے' وہ ہر ضروری اور غیر ضروری بات کو بھی اس سے منسوب کرلیتا ہے۔ مجھے بھی یہی محسوس ہوا جیسے میری آمد پر اس نے خوشی کا اظہار کیا ہو۔ میں نے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''کیسے ہو شہزادے؟''

جواب میں وہ ایک مرتبہ پھر ہنہنایا۔ میں یہی سمجھا' وہ مجھے اپنی خیریت سے آگاہ کررہا ہے۔ میں نے اسے دروازے کے قریب لا کر اس کی گھائل ٹانگوں کا جائزہ لیا۔ ڈنگر ڈاکٹر ظہوری بڑی توجہ سے اس کا ''علاج'' کررہا تھا۔ اس نے دروازے تک مختصر سے سفر کے دوران میں تکلیف محسوس کی لیکن میں نے دیکھا' وہ پہلے سے کافی بہتر تھا۔ میں نے اس گھوڑے سے دوبارہ آکر اسے دیکھنے کا وعدہ کیا اور خدیجہ کے گھر سے نکل آیا۔

راستے میں ممتاز شیخ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے یہی ظاہر کیا' ہم اتفاق سے ملے ہیں لیکن میں نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات سے اندازہ لگالیا کہ ہمارا ملنا اتفاقاً نہیں تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ میری ٹوہ میں ادھر گھوم رہا ہو۔

میں نے قدرے سخت لہجے میں اس سے دریافت کیا ''تم ابھی تک گھر نہیں گئے؟''

"میں گھر ہی سے آ رہا ہوں جناب!" وہ گڑ بڑا گیا "ادھر نیکے موچی سے ایک کام تھا۔" اس نے بہانہ بناتے ہوئے کہا۔ "وہ تو گھر میں ملا نہیں، واپس جا رہا تھا تو آپ پر نظر پڑ گئی۔ یقیناً آپ خدیجہ بھابی کی طرف سے آ رہے ہیں۔ وہاں کی کیا خبریں ہیں؟"

اس نے بڑی چالاکی سے سوالات کے رخ کو اپنی جانب سے پھیر کر میری طرف کرنے کی کوشش کی تو میں چند لمحے تولتی ہوئی نظر سے اسے گھورتا رہا پھر گمبھیر لہجے میں استفسار کیا۔

"تھانے دار میں ہوں یا تم؟"

"ظاہر ہے جی، تھانے دار تو آپ ہی ہیں جناب!"

"پھر اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور تھانے دار بننے کی کوشش نہ کرو!"

"میں نے کیا کیا ہے تھانے دار صاحب؟" وہ ایسی معصومیت سے پوچھنے لگا جیسے میری بات نہ سمجھ سکا ہو۔

میں نے ڈانٹ سے مشابہ لہجے میں کہا "صرف میرے سوالات کو غور سے سنو اور سوچ سمجھ کر ان کا جواب دو۔ تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا؟"

وہ الجھ گیا "میں نے کون سا جھوٹ بولا ہے جناب؟"

میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا "کسی حقیقت کو ادھورا بیان کرنا بھی ایک قسم کی دروغ گوئی ہی ہوتی ہے۔ تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ فیاض شیخ کے ساتھ تم بھی خدیجہ کے گھر گئے تھے؟"

وہ جز بز ہو کر رہ گیا پھر معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "میں آپ کو بتانا بھول گیا تھا جناب!"

"خدیجہ نے تمہاری ہی وجہ سے فیاض کو گھر میں داخل نہیں ہونے دیا۔" میں نے خفگی آمیز لہجے میں کہا "اگر اسے تمہاری شکل نظر نہ آتی تو وہ اپنے دیور فیاض کو دروازے پر سے نہ لوٹاتی۔ فیاض کے لیے اس کے دل میں مخالفانہ جذبات نہیں ہیں۔ وہ یہی سمجھی کہ تم فیاض کو کوئی الٹی سیدھی پٹی پڑھا کر وہاں لائے ہو!"

"خدیجہ میرے بارے میں ہمیشہ بدگمان رہتی ہے۔" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا "فیاض کے ساتھ اگر وہ مجھے بھی گھر میں بٹھا لیتی تو اس کا کون سا نقصان ہو جاتا۔ میں بھی تو فیاض کی طرح اس کا دیور ہوں۔ بھائی صاحب کے گھر پر ہم دونوں کا ایک ہی جیسا حق ہے۔"

"یہ تمہارا خیال ہے اور میں اس سلسلے میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا

''بہرحال، خدیجہ ایسا نہیں سمجھتی اور میری معلومات کے مطابق، امتیاز شیخ بھی تمہیں وہ اہمیت نہیں دیتا رہا جو فیاض شیخ کو حاصل ہے۔''

''یہی تو مصیبت ہے نا جناب!'' وہ خفگی آمیز لہجے میں بولا ''پتا نہیں، ان لوگوں کو مجھ سے ایسی کون سی دشمنی ہے؟''

''دوستی اور دشمنی کا حساب کتاب تم بعد میں کرتے رہنا۔'' میں نے وارننگ دینے والے انداز میں کہا ''تمہیں میں یہی تاکید کروں گا کہ خدیجہ کی ٹوہ میں رہنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہارے خلاف قانونی چارہ جوئی کے لیے مجبور ہو جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے تھانے دار صاحب!'' وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا ''میں آپ کے اس حکم کو یاد رکھوں گا۔''

میں نے ایک فوری خیال کے تحت اس سے پوچھ لیا ''کیا فیاض شیخ اس وقت تمہارے گھر میں موجود ہے؟''

فیاض شیخ، امتیاز شیخ کا بھائی تھا اور میری معلومات کے مطابق، ان دونوں بھائیوں کے درمیان ناخوشگوار تعلقات بھی نہیں تھے۔ وہ اگر بھائی کی گمشدگی کا سن کر نظام پورہ سے قلعہ کچھمن سنگھ آ ہی گیا تھا تو اس سے مل لینا ضروری تھا۔ ممکن ہے، امتیاز کی بازیابی کے ذیل میں اس سے کوئی اشارہ مل جاتا!

''ممتاز شیخ نے میرے سوال کے جواب میں کہا ''بھائی فیاض تو واپس بھی چلا گیا ہے۔''

''وہ کب گیا ہے؟'' بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''جب میں تھانے سے گھر پہنچا تو وہ جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔'' ممتاز نے بتایا ''خدیجہ کے رویے نے اسے ایسا دل برداشتہ کیا کہ اس نے واپس جانے کا پروگرام بنا لیا۔ میں تھوڑی دیر پہلے ہی انہیں روانہ کر کے آیا ہوں۔''

میں ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اب فیاض شیخ سے ملاقات کی ایک ہی صورت تھی کہ یا تو میں اسے یہاں قلعہ کچھمن سنگھ طلب کر لیتا یا پھر اس کے پاس نظام پورہ چلا جاتا اور یہ دونوں کام یا دونوں میں سے کوئی ایک کل صبح ہی ہو سکتا تھا۔

میں نے ممتاز شیخ کو کچھ اور ہدایات دیں اور واپس تھانے آ گیا۔

☆☆☆

میں امید کر رہا تھا کہ اس روز منڈی بلال گنج کی طرف سے کوئی خوش خبری سننے کو ملے گی لیکن میری یہ توقع پوری نہ ہو سکی۔ ایک تو بارش نے بھی اس دن کارکردگی کو خاصا متاثر کیا تھا۔ البتہ اگلے روز دوپہر کے وقت وہ پولیس ٹیم واپس آ گئی جسے میں نے طوطی پہلوان کی گرفتاری کے لیے منڈی بلال گنج روانہ کیا تھا۔

اس روز مارچ کی غالباً چھبیس تاریخ تھی۔ امتیاز شیخ کی گمشدگی کی رپورٹ چوبیس مارچ کی صبح خدیجہ نے درج کروائی تھی۔ امتیاز روزِ گزشتہ یعنی تئیس جنوری کی شام سے غائب تھا۔ پولیس ٹیم کے ساتھ سودی شاہ بھی آیا تھا اور سب سے خوش خبری کی بات یہ تھی کہ وہ پارٹی طوطی پہلوان کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ وہ بدبخت آج صبح ہی وزیر نگر سے واپس لوٹا تھا اس لیے ایک دن کی تاخیر ہو گئی۔

میں نے اس حوالدار کو اپنے کمرے میں بلا لیا جو طوطی پہلوان کو گرفتار کر کے یہاں تک لایا تھا۔ اس نے میرے پاس آ کر بڑے جوشیلے انداز میں اطلاع دی ''ملک صاحب! آپ کا مطلوبہ مجرم حاضر ہے۔''

میں نے اس کارنامے پر اس کی کارکردگی کو مناسب الفاظ میں سراہا اور اس سلسلے میں اہم سوالات کرنے کے بعد پوچھا ''وہ کن ٹٹا بدمعاش گمشدہ امتیاز شیخ کے بارے میں کیا بتاتا ہے؟''

''وہ اس سلسلے میں کوئی بھی بات قبول کرنے کو تیار نہیں۔'' حوالدار نے جواب دیا ''طوطی، بلال گنج منڈی کا ایک دہشت نشان مجرم ہے جناب۔ اس کی گرفتاری کے لیے ہمیں خاصی دقت اٹھانا پڑی ہے۔ اگر سودی شاہ کا تعاون ہمیں حاصل نہ ہوتا تو یہ بندہ تو ہاتھ سے پھسلا جا رہا تھا۔''

''اس دم کٹے بدمعاش کی دہشت کا ایک گراف میں خود چیک کروں گا۔'' میں نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا ''تم اسے لے کر میرے پاس آ جاؤ۔''

''جناب! سودی شاہ بھی آپ سے ملاقات کے لیے بے تاب ہے!'' حوالدار نے بتایا۔

''اس سے میں بعد میں ملاقات کرتا ہوں۔ تم پہلے طوطی پہلوان کو اندر لاؤ۔''

''او کے سر!'' حوالدار مجھے سلیوٹ کرتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد مذکورہ مجرم بشارت عرف طوطی پہلوان میرے کمرے میں حاضر تھا۔ حوالدار نے اسے میری میز کے ادھر لا کر کھڑا کر دیا اور خود تن کر اس کے قریب ہی جم گیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے میری جانب سے اشارہ پاتے ہی وہ بس ''شروع'' ہو جائے گا۔ میں تنقیدی نظر سے طوطی پہلوان کا جائزہ لینے لگا۔

اس کا نام طوطی پہلوان کچھ غلط نہیں رکھا گیا تھا۔ اس کی

ی کسی طوطے کے مانند ہی ایک خاص زاویے میں جھکی ہوئی
تھی۔ بدن کسرتی اور قدرے پھیلا ہوا۔ یہ اس بے اعتنائی کا
نتیجہ تھا جو وہ کافی عرصے سے اکھاڑے کی جانب سے برتتا چلا
آرہا تھا۔ وہ بنا بنایا ایک بدمعاش تھا۔ اگر کسی کو اس کے
کرتوت معلوم نہ بھی ہوتے تو وہ اس کی صورت دیکھتے ہی
جان جاتا' طوطی معاشرے کے معزز طبقے سے تعلق نہیں رکھتا
تھا۔

میں نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اس کی آنکھوں میں
یکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا ''میں نے سنا ہے طوطی! تم بڑی
ژی کر رہے ہو۔ کیا کافی دنوں تک ہماری میزبانی کا لطف
ٹھانے کا ارادہ ہے؟''

''جب مجھ پر خواہ مخواہ کے الزامات عائد کیے جائیں
گے تو میں تائید کیسے کروں گا جناب!'' وہ قدرے برہمی سے
بولا ''آپ کے بندے میرے ساتھ بڑی زیادتی کر رہے
ہیں تھانے دار صاحب!''

''کیا یہ غلط ہے کہ تم اپنے ڈیرے پر جوئے کا اڈا
چلاتے ہو؟'' میں نے تیز نظر سے اسے گھورا' وہاں شراب و
شباب کی محفلیں سجائی جاتی ہیں؟''

''وہ دوسری بات ہے جناب۔'' وہ کمال ڈھٹائی سے
بولا۔ ''لیکن آپ کے حوالدار صاحب تو مجھ پر کوئی اور ہی
سنگین الزام لگا رہے ہیں جبکہ میرا امتیاز شیخ سے کوئی تعلق
نہیں۔''

میں نے کہا ''تم جسے دوسری بات گردان رہے ہو وہ بھی
کچھ کم سنگین نہیں ہے۔ تم میرے تھانے کی حدود میں جس
نوعیت کا کاروبار جمائے بیٹھے ہو' میں اس سلسلے میں تمہیں لمبے
عرصے کے لیے جیل کی سلاخوں کے .... پیچھے بھجوا سکتا ہوں۔
یہ نہ بھولو کہ میرے پاس تمہارے جرائم کے بڑے ٹھوس اور
ناقابلِ تردید ثبوت موجود ہیں۔''

اس نے بے چین نگاہ سے مجھے دیکھا۔ ''ثبوت'' والی
بات نے اسے ہراساں کر دیا تھا۔ وہ میرے مطلب کی تہ میں
پہنچ گیا ہوگا۔ یہ ممکن نہیں تھا' شوکت علی اور منظورے کی
گرفتاری اس سے پوشیدہ رہی ہو' اس نے کچھ کہنے کے لیے
منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے اپنی بات کو آگے بڑھا دیا۔

''طوطی! تم جس دعوے کو بے بنیاد اور غلط الزام کہہ
رہے ہو' اس بارے میں بھی میں نے بڑی گہری معلومات
حاصل کرلی ہیں۔ تمہاری جان بڑے بھیانک شکنجے میں آچکی
ہے۔ تم یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ امتیاز شیخ سے تمہارا کوئی
تعلق نہیں۔ کیا سمجھے؟''

وہ الجھن زدہ نظر سے تھوڑی دیر تک مجھے تکتا رہا پھر
احتجاجی لہجے میں بولا ''جناب! میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔
آپ میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے۔ امتیاز شیخ کی
گمشدگی میں میرا کوئی ہاتھ نہیں۔''

''چلو شکر ہے کہ تم نے امتیاز شیخ سے شناسائی کا تو اقرار
کرلیا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پھنکار
سے مشابہ لہجے میں کہا ''اس کی گمشدگی میں شامل تمہارے
ہاتھ کو میں خود ہتھکڑی پہنا دوں گا۔''

''جناب! یہ شناسائی بھی بس لمحاتی سی تھی۔'' اس کی سمجھ
میں نہیں آرہا تھا' کیا کہے!

میں نے بدستور سخت لہجے میں کہا ''تمہارا مطلب ہے'
اس روز سودی شاہ کی آڑھت کی دکان پر تم پہلی مرتبہ امتیاز شیخ
سے ملے تھے؟''

''بالکل...... بالکل!'' وہ جلدی سے بولا ''اب آپ
نے کی ہے' میرے دل کی بات!''

''صرف دل ہی کی نہیں' میں تمہارے پھیپھڑے اور
گردے کی بات کرسکتا ہوں طوطی پہلوان!'' میں نے معنی خیز
انداز میں کہا ''اور یاد رکھو' اگر تم نے میرے سوالات کے
معقول جواب نہیں دیے تو میں تمہاری طوطے ایسی ناک کو

کاٹ کر تمہارے چہرے پر ہد ہد کی ناک چپکا دوں گا پھر سب تمہیں ہد ہد پہلوان کہیں گے۔ بعض تو تمہیں ''بی ہد ہد'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ تم نے اپنی بدمعاشی اور غنڈا گردی سے پورے علاقے پر ایک دہشت سی بٹھا رکھی ہے۔ سوچو! جب تمہیں منڈی بلال گنج کا بچہ بچہ ''ہد ہد بی بی'' کہہ کر چھیڑے گا تو تمہاری کیا عزت وتوقیر رہ جائے گی؟''

اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا۔ تاہم وہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا' میری باتیں اس کے مزاج اور موڈ کا سوا ستیاناس مار رہی تھیں' اس کا اندرون تہ وبالا ہو رہا تھا لیکن مجبوری نے اس کے لبوں پر آہنی قفل ڈال دیے تھے۔ وہ عام لوگوں کی طرح مجھے اپنی دہشت سے ڈرا سکتا تھا اور نہ ہی .... سنگین نتائج کی دھمکی دے کر کوئی خاص رعایت حاصل کر سکتا تھا۔ میں نے اپنی کارروائی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''تم اسی روز' بقول تمہارے پہلی مرتبہ امتیاز شیخ سے ملے تھے پھر وہاں سودی شاہ کی دکان پر یوں گھل مل کر اس سے باتیں کیوں کر رہے تھے جیسے تم صدیوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟''

''وہ بات دراصل یہ ہے جناب!'' وہ تامل کرتے ہوئے بولا۔ ''میرا اپنا ایک طریقۂ کار ہے۔ اب آپ سے کیا پردہ!'' اتنا کہہ کر وہ معنی خیز انداز میں خاموش ہوا تو میں انتظار کرنے لگا' وہ کسی سربستہ راز سے پردہ اٹھانے والا ہے۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ دوبارہ گویا ہوا ''جب تک اس دنیا میں بے وقوف لوگ موجود ہیں' عقل مند اور تیز آدمی بھوکا نہیں مر سکتا۔ میں نے ابھی اپنے طریقۂ کار کا ذکر کیا ہے نا...... تو جناب! میں بھی امتیاز شیخ جیسے لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر شکار کرتا ہوں۔ ایسے احمق افراد کی مجھے ہمیشہ تلاش رہتی ہے۔ میں انہیں اپنے شیشے میں اتارنے کے ایک سو ایک گر جانتا ہوں۔''

مجھے یوں محسوس ہوا' وہ کوئی انکشاف کرنے جا رہا تھا اس لیے خاموش نظر سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا ''میں نے سودی شاہ کی دکان پر مختصر سی ملاقات میں یہ اندازہ لگا لیا کہ امتیاز کو چکر دیا جا سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ اس کے پاس کچھ رقم بھی ہے۔ میں نے بہلا پھسلا کر اسے جوئے کے لیے راضی کر لیا پھر میں اسے اپنے ساتھ اپنے ڈیرے پر لے گیا اور اس کی جیب خالی کر دی۔''

''کیا! وہ راضی خوشی اتنی بڑی رقم ہار گیا؟'' میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''جناب! راضی خوشی تو کوئی ایک دھیلا بھی نہیں ہارتا'' وہ بڑی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا ''میں نے پہلے ایک دو داؤ میں امتیاز کو جیتنے کا موقع دیا۔ اس سے اس کا حوصلہ کھل گیا۔ ہر جوئے کے اڈے والا یہی کرتا ہے۔ اس کے بعد میں نے اسے مونڈھنا شروع کر دیا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ اس کے پاس اتنی بڑی رقم ہو گی۔ جب وہ مسلسل ہارنے لگا تو جیت کی توقع میں بڑے بڑے داؤ لگانے لگا۔ اس طرح میں نے اس کی پونجی کے ساتھ ہی وہ رقم بھی جیت لی جو شروع میں ہاری تھی۔''

''اوہ!'' میں نے افسوس ناک انداز میں اس شاطر شخص کی طرف دیکھا ''تم نے تین ہزار روپے پر ہاتھ صاف کر لیا اور وہ خاموشی سے لٹ گیا۔''

''جناب! اس قسم کے کاموں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔'' طوطی پہلوان رازدارانہ انداز میں بولا پھر اس کی آواز میں ایک خاص قسم کی پیشکش بھی شامل ہو گئی ''تھانے دار صاحب! اگر آپ مجھے اس جھمیلے سے آزاد کر دیں تو میں تین ہزار روپے کی وہ رقم آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''یعنی اس دیدہ دلیری سے تم مجھے رشوت پیش کر رہے ہو؟'' مجھے غصہ آ گیا۔

''اگر آپ اسے تحفہ یا نذرانہ سمجھ لیں تو بات بن جائے گی۔'' وہ بڑے بھونڈے انداز میں مسکرایا ''ملک صاحب! آپ مجھے خاصے سخت آدمی لگتے ہیں۔ آپ سے پہلے اس تھانے میں جو تھانے دار تعینات تھا اس سے تو میری اچھی خاصی دوستی تھی۔''

اس کی باتیں طیش دلانے والی تھیں لیکن میں نے اپنے غصے کو قابو میں رکھا اور اسے گھورتے ہوئے کہا ''تم اسے نذرانہ کہو یا تحفہ' میں تین ہزار کی رقم تم سے ضرور واپس لوں گا۔ اپنے لیے نہیں بلکہ امتیاز کی بیوی اور بچے کے لیے۔ اس رقم پر صرف اور صرف انہی کا حق ہے۔'' ایک لمحے کو میں سانس لینے کے لیے رکا پھر اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

''فی الحال تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ امتیاز شیخ کے ساتھ تم نے کیا کیا ہے؟''

وہ بڑی بڑی قسمیں کھانے لگا اور بولا ''میں اس کی گمشدگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ وہ میرے ڈیرے سے صحیح سلامت رخصت ہوا تھا۔''

''اور اس کے پیچھے ہی تم بھی رخصت ہو گئے تھے۔''

یں نے طنزیہ انداز میں کہا ''اور تمہاری واپسی لگ بھگ دو گھنٹے کے بعد ہوئی تھی؟''

وہ ڈیرے سے اپنے غیاب کے بارے میں مختلف تاویلیں دینے لگا۔ جب اس کی باتوں سے میری تسلی نہ ہوئی میں نے اسے حوالدار کے حوالے کر دیا ''تم اس پر کچھ کام کرو۔ میں رات میں اس سے دوبارہ ملاقات کروں گا۔''

حوالدار کے چہرے پر خوشی چمک اٹھی۔ وہ کشاں کشاں ولی پہلوان کو میرے کمرے سے لے کر حوالات کی جانب بڑھ گیا۔ میں نے اس کے حسبِ منشا طوطی کی صورت میں سے ایک عظیم تحفے سے نواز دیا تھا۔

وہ دن اور اس سے اگلا دن بھی کسی کامیابی کے بغیر ہی گزر گیا۔ ہم نے طوطی پہلوان پر مروجہ طور طریقے آزما کر دیکھ لیے لیکن اس نے امتیاز کی گمشدگی کے سلسلے میں کوئی قراری بیان نہ دیا۔ اس صورتِ حال نے مجھے الجھا کر رکھ دیا۔ میں تھانے سے اٹھا تو امتیاز شیخ کے بارے ہی میں سوچ رہا تھا اور نیند کی آغوش تک پہنچتے پہنچتے یہ پریشان کن سوچ میرے ذہن سے چپکی رہی۔

☆☆☆

آئندہ روز جب میں بیدار ہوا تو صبح کے آغاز کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک آئیڈیا چمکا۔ اس آئیڈیا کے بارے میں میں نے باقاعدہ سوچا نہیں تھا۔ بس آپوں آپ ہی یہ خیال چپکے سے ذہن میں ابھر آیا تھا۔ ازاں بعد اس خیال پر عمل کرنا بہت سودمند ثابت ہوا۔

میں نے کسی سینئر افسر سے یہ کہاوت سنی تھی کہ چوری شدہ چیز جب کسی بھی طور برآمد نہ ہو رہی ہو تو خود کو اس شے کی جگہ رکھ کر سوچنا چاہیے۔ اس سلسلے میں میرے اس سینئر نے ایک گھوڑے کی مثال بھی دی تھی۔ کسی کا ایک گھوڑا چوری ہو گیا تھا اور کسی بھی طرح اس گھوڑے کا سراغ نہیں مل رہا تھا' بالآخر اس نے خود کو گھوڑا تصور کر لیا اور یہ سوچنے لگا۔ اگر اس کے ساتھ گھوڑے والی سچویشن پیش آ جائے تو وہ کہاں جائے گا۔ اس کوشش میں اسے کامیابی حاصل ہوئی اور وہ ''گھوڑا'' بن کر آخر کار گھوڑے تک پہنچ گیا۔

جس کیس نے میرا دماغ گھمار کھا تھا اس میں کوئی گھوڑا تو گم نہیں ہوا تھا بلکہ گھوڑے کا مالک پچھلے پانچ چھ روز سے غائب تھا۔ میرے ذہن نے فوری طور پر اس آئیڈیا میں تھوڑا ترمیم واضافہ کیا اور میں تیار ہو کر خدیجہ بیگم کے گھر پہنچ گیا۔ اے ایس آئی مراد بھی میرے ہمراہ تھا اور ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں گئے تھے۔

''اگر اسے صحیح بال کرانا آتی تو تمہیں اس سے زیادہ چوٹیں آتیں۔''

خدیجہ نے حسبِ حال ہمارا استقبال کیا۔ میں اس کمرے کی جانب بڑھ گیا جس کے اندر امتیاز شیخ کا سفید گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی گھوڑا بڑے والہانہ انداز میں ہنہنانے لگا۔ اس کے زخم بڑی حد تک ٹھیک ہو چکے تھے۔ اس وقت وہ اپنے پاؤں پر کھڑا تھا۔

اے ایس آئی نے میرے کان میں سرگوشی کی ''ملک صاحب! یہ گھوڑا تو آپ کو پہچاننے لگا ہے۔''

میں مراد کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے گھوڑے کی سمت بڑھا۔ وہ بھی میری طرف لپکا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کمرے سے باہر نکلنا چاہتا ہو۔ میں نے اس کی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو جوان! میں تمہاری رسی کھول رہا ہوں۔ تم میری راہنمائی کرو گے کہ تمہارا مالک امتیاز کس جگہ تم سے بچھڑا تھا!''

وہ شانت ہو کر اپنی بڑی بڑی سی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ انسانی زبان کو سمجھ رہا ہو لیکن اس کے رویے اور ردِعمل سے یہی بات ظاہر ہوتی تھی۔ بہرحال جو بھی تھا اسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ شاید ہمارے درمیان کوئی روحانی رابطہ قائم ہو گیا تھا۔

اے ایس آئی کو میں اپنے منصوبے سے آگاہ کر چکا تھا' خدیجہ کو بھی میں نے مختصر الفاظ میں اپنے پروگرام سے متعلق بتایا اور سفید گھوڑے کو اپنے ساتھ لے جانے کی بات کی۔ وہ بڑی آسانی سے میری بات سمجھ گئی اور بولی۔

''جناب! یہ کام تو آپ کو پہلی فرصت میں کرنا چاہیے۔''

خدیجہ کی طرف سے اجازت ملتے ہی ہم اس گھنے جنگل کی طرف روانہ ہوگئے جو فرید آباد اور موضع لچھمن سنگھ کے درمیان پایا جاتا تھا۔ میں اور اے ایس آئی اپنے گھوڑوں پر سوار تھے جبکہ سفید گھوڑا بغیر کسی سوار کے آگے آگے بڑھ رہا تھا۔ جب تک ہم آبادی کے اندر رہے' میں نے امتیاز کے گھوڑے کی لگام تھامے رکھی۔ جنگل کی جانب جانے والے راستے پر پہنچتے ہی میں نے اس کی لگام چھوڑ دی اور بڑے دلار سے کہا۔

''یہاں سے تمہارا کام شروع ہوتا ہے شہزادے۔ تم آگے آگے چلو گے اور سیدھے وہاں پہنچو گے جہاں تمہارے مالک امتیاز شیخ کو کوئی حادثہ پیش آیا تھا۔''

اس بے زبان نے بڑی توجہ سے میری بات سنی' ہنہنا کر حکم کی تعمیل کا یقین دلایا اور خاموشی سے ایک جانب بڑھ گیا۔

اے ایس آئی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ''ملک صاحب! میں نے ایسا ''فرماں بردار'' گھوڑا پہلے کبھی نہیں دیکھا!''

''میں بھی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔'' میں نے گمبھیر انداز میں کہا۔

وہ سنجیدگی سے بولا ''اس کی پُراعتماد چال سے ظاہر ہوتا ہے' یہ ہمیں کسی منزل پر پہنچا کر ہی دم لے گا۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے!'' میں نے کہا۔

''ہمیں پہلے اس گھوڑے سے مدد لینے کا خیال کیوں نہیں آیا؟'' اس نے پوچھا۔

''مراد! قدرت کا کوئی کام خالی از مصلحت نہیں ہوتا۔'' میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا ''یہ بھی تو دیکھو' یہ بے زبان پہلے چلنے کے قابل ہی کہاں تھا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے' ہم اپنی منزل سے بہت قریب ہیں۔''

آدھے گھنٹے کے بعد میرا یہ یقین عملی صورت اختیار کرکے ہمارے سامنے آگیا۔ اس گھوڑے نے ہمیں نہر کے کنارے پہنچایا اور تھوڑا آگے' نہر کے ساتھ ساتھ جاتے ہوئے ایک گڑھے کے پاس جا کر رک گیا۔ ہم اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر آئے۔ اے ایس آئی نے کہا۔

''ملک صاحب! یہ ہمیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

گھوڑا بار بار اس گڑھے کی جانب منہ کرکے مخصوص انداز میں ہنہنا رہا تھا۔ مذکورہ گڑھے میں بارش کا پانی بھرا ہوا تھا۔ میرے لیے گھوڑے کا بس اتنا سا اشارہ ہی کافی تھا اس کے بعد مجھے اپنی عقل اور اختیار کے گھوڑے دوڑانا تھے......

اور میں نے ایسا ہی کیا۔

میں نے فوری طور پر اے ایس آئی کو تھانے بھیج کر عملے کے چند افراد کو وہاں بلا لیا پھر دوپہر تک اس گڑھے کا پانی باہر نکالنے کے بعد نیچے سے امتیاز شیخ کی لاش کو برآمد کرلیا گیا۔ اس کے جسم پر متعدد زخموں کے آثار ملے۔ غالباً یہ تیز دھار کلہاڑیوں کے زخم تھے جو بڑی بے دردی سے اسے لگائے گئے تھے۔

امتیاز شیخ کے لباس سے الجھی ہوئی سونے کی ایک زنجیر بھی گڑھے میں سے برآمد ہوئی۔ میں نے وہ زنجیر خدیجہ بیگم کو دکھائی تو اس نے صاف انکار کردیا۔ وہ زنجیر امتیاز کی نہیں تھی۔

ازاں بعد میں نے اس طلائی زنجیر کی ''تلاش'' اور کھوج جاری رکھی اور بالآخر اس کے مالک تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ کام کرنے میں مجھے چار پانچ روز لگ گئے تھے۔ اس دوران میں امتیاز شیخ کو سپردِ خاک کیا جاچکا تھا۔

اس طلائی زنجیر کا مالک کوئی اور نہیں بلکہ مقتول کا چھوٹا بھائی ممتاز شیخ تھا۔ میں نے اسے گرفتار کرکے تفتیش کی چکی میں پیس ڈالا بالآخر اسے اقبالِ جرم کرتے ہی بنی۔

اس نے بتایا کہ اسے کسی طرح تین ہزار کی رقم کے بارے میں سن گن مل گئی تھی۔ وہ بھائی اور بھابی کے رویے سے سخت برگشتہ تھا اس نے بیچ جنگل کے امتیاز شیخ کو لوٹنا چاہا۔ اس کارروائی کے لیے اس نے اپنے دو ساتھیوں کا انتظام بھی کیا تھا۔ ان تینوں نے نقاب لگا رکھے تھے۔ وہ دونوں ساتھی پیش پیش تھے جبکہ ممتاز تھوڑا پیچھے رہ کر ان کی راہنمائی کر رہا تھا۔

امتیاز کے پاس سے جب کوئی رقم برآمد نہ ہوئی تو انہوں نے ناکام ہو کر درندگی کا مظاہرہ کیا اور کلہاڑیوں کے وار کرکے اسے جان سے مار ڈالا۔ اس ظالمانہ کارروائی میں امتیاز کا گھوڑا بھی شدید زخمی ہو کر وہاں سے بھاگ گیا......اور یہی زخمی گھوڑا بعد میں ممتاز کی گرفتاری کا سبب بن گیا۔

میں نے ممتاز کی نشان دہی پر اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی گرفتار کرکے بڑا ٹھیک ٹھاک فٹ کردیا۔ وہ عدالت سے سزا پاکر جیل کی دیواروں کے پیچھے چلے گئے۔

آخر میں' یہ بھی بتاتا چلوں کہ الطاف نے مجھے اپنی زندگی کے دوسرے دور کے جو حالات سنائے وہ اپنی جگہ ایک مکمل اور عبرت ناک داستان ہے پھر کبھی یہ کہانی بھی آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ یہ شرطِ زندگی......!

(تحریر: حُسام بٹ)